ماہنامہ

براہِ راست

لاہور

جلد 12 شمارہ 08

اگست 2026ء

حماس کا ہتھیار ڈالنے سے انکار

ڈاکٹر خالد قدومی کی خصوصی گفتگو

کیا حماس غیر متعلق ہو گئی؟ سچائی، پروپیگنڈا اور اصل حقائق

بین الاقوامی کریمنل کورٹ:
امریکہ مقابلے پر آ گیا

ایران نے دنیا کو کیا پیغام دیا؟
تہران میں تعزیتی تقاریب اور قرآنی سفارت کاری

اسرائیلی جیلوں میں فلسطینیوں پر تشدد
ریپ اور اجتماعی عصمت دری

”جب انسانیت خاموش ہو جائے تو
معصوم بچوں کی آنکھیں تاریخ کا سب سے بڑا احتجاج بن جاتی ہیں۔“

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد
اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گردا گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم
اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ

براہِ راست

لاہور

جلد 12 شمارہ 08 اگست 2026ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس

ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com
برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com
برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70
پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

■ کلام اقبال ■ اداریہ

خلیل اسماعیل الحیہ حماس کے نئے سربراہ منتخب

غزہ حکومت کی تحلیل: حماس کا اقدام

حماس نے کیا حاصل کیا؟؟؟

حماس کا ہتھیار ڈالنے سے انکار

■ ایران نے دنیا کو کیا پیغام دیا؟
■ تہران میں تعزیتی تقاریب اور ''قرآنی سفارت کاری''
■ غزہ جنگ بندی کی پامالی
■ بین الاقوامی کریمنل کورٹ: امریکہ مقابلے پر آ گیا
■ اسرائیلی جارحیت: چہرا روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر
■ دھویں میں لپٹی ممتا، راکھ میں سلگتی زندگی
■ اسرائیلی یرغمالی آزادی پا کر سچائی بھول گئے
■ 7 اکتوبر 2023ء جب مغربی میڈیا صہیونی جھوٹ میں ڈوب گیا
■ اسرائیلیات: حافظ عمر فاروق
■ حریدی یہودیوں کو لازمی فوجی سروس سے استثنیٰ
■ اسرائیلی جیلوں میں فلسطینیوں پر تشدد، ریپ اور اجتماعی عصمت دری
■ ANTISIMITISM VS ZIONISM
■ تاریخِ مسجد اقصیٰ: تقدس، عظمت اور تاریخی ارتقاء

کلامِ اقبال

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

عطارؔ ہو رومیؔ ہو رازیؔ ہو غزالیؔ ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحرگاہی

نومید نہ ہو ان سے اے رہبر فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسداللّٰہی

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

خلط مبحث

اداریہ

اس وقت، جب کہ امریکہ اسرائیل ایران جنگ تباہ کاریوں کے بعد خاموشی کے مراحل طے کر رہی ہے۔ اس نے جو کچھ کیا اور کہا، اس سے غزہ پر کوئی فرق نہیں پڑا۔ نہ تو کسی بھی مذاکراتی عمل میں غزہ زیر بحث آیا اور نہ ہی نسل کشی روکنے کی ہی بات کا شائبہ تک تھا۔ کچھ تھا اور ہے تو یہ خلط مبحث کہ حماس نے عملی طور پر ہتھیار ڈال دیے یا یہ کہ حماس نے یہ کر دیا اور وہ کر دیا۔ حقیقت جاننا تو آج کسی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم حماس کے غیر مسلح ہونے یا نہ ہونے، نئی انتظامیہ علی شعت کی قیادت میں قاہرہ سے نکل کر غزہ آنے یا ابھی تک مصری حکومت کے فراہم کردہ بنکروں سے غزہ آئے، پولیس کا نظام قائم کرے، سول انتظامیہ کو بحال کرے یا قائم ہیں کر دے، سب کچھ قصہ کہانی ہے۔ ہمارے بعض بزرجمہر قسم کے دانش کے مارے کہہ رہے ہیں کہ ایک ہزار مار کر ایک لاکھ ہی مروانے تھے تو یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی، وغیرہ وغیرہ۔

اس پر ہم بعد میں آئیں گے اور جائزہ لینا چاہیں گے کہ کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔ یہ سوال بھی اہم ہے کہ حماس اب غیر متعلقہ ہوگئی ہے؟ اگر یہ محض ایران کی پراکسی تھی تو ایران نے ہزاروں میزائل چلائے، کوئی ایک ییلو لائن پر کھڑے قاتل اور قابض اسرائیلیوں پر کیوں نہ چلا دیا۔ کم از کم وہاں تو ان کا خاتمہ نہ سہی، محاصرہ تو کمزور پڑ جاتا۔

یہ بہت سارے سوالات ہیں اور سب اب اہم ہیں، لیکن یہ اس خلط مبحث کا حصہ ہیں جو غزہ میں حماس کو بدنام کرنے اور نئی مجوزہ انتظامیہ کی نااہلی اور ناقدری نے پیدا کیے ہیں۔ ابھی تک نئی انتظامیہ سمیت ٹرمپ کے بورڈ آف پیس کا غزہ میں کہیں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ نئی پولیس کا نام ہے لیکن کوئی بھی موجودگی ثابت نہیں کر سکا۔ ٹرمپ کے ہی بورڈ آف پیس کی جناتی قوت غائب ہے تو غزہ کو ساحلی تفریح گاہ (Revaria) المعروف عیاشی کا اڈا بنانے والے ہی کہیں موجود ہیں۔

حماس نے اعلان کیا تھا کہ وہ نئی انتظامیہ کے لیے خود کو انتظامی ذمہ داریوں سے الگ کر رہی ہے۔ اس اعلان میں صاف صاف الفاظ میں کہا گیا تھا کہ ہم ٹرمپ پلان پر عمل کرنے کے عہد پر دستخط کر آئے تھے، اسی کے تحت ہم صرف اس مرحلے پر نئی انتظامیہ کو ذمہ داریاں دے رہے ہیں۔ یہ انتظامیہ قاہرہ میں ہے یا کسی قہر کے قبضے میں ہے۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہم اپنے وعدوں کا پاس کرنے والے لوگ ہیں، لیکن یہ بھی بتائے دے رہے ہیں کہ ہم انتظام سے الگ ہو رہے ہیں، غیر مسلح نہیں ہو رہے۔ اس کے لیے اسرائیل کو غزہ خالی کرنا ہوگا۔ وہ پیلی پٹی پر ہو یا نارنجی خانے میں ہو، وہ جہاں سے آئی تھی، وہیں واپس جائے گی۔

غزہ میں اس اعلان کو خوش آمدید کہا گیا۔ لوگوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اسرائیل نے اسے نسلی صفائی کا ایک اور موقع سمجھا۔ 10 اکتوبر 2025ء سے اب تک وہ غزہ میں کم و بیش پانچ ہزار مزید فلسطینی مار چکا ہے، شہید کر چکا ہے۔ ابھی حال ہی میں اس نے غزہ کی بڑی عمارت کو بموں سے اڑا کر 112 فلسطینی شہید کر دیے۔ اسے تو کوئی سوال نہیں کرتا کہ وہ اپنی انگلیاں ہر وقت ٹریگر پر کیوں رکھتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک اسرائیل کے اندر انتخابات نہیں ہو جاتے، چاہے نیتن یاہو وزیر اعظم ہو یا وہاں نیفتالی بینٹ، جلاد اتمار بن غفیر، سفاک دل سموٹریش وزیر اعظم ہوں، نسلی صفائی جاری ہے اور جاری رہے گی۔

جہاں تک غزہ کی نئی انتظامیہ کا سوال ہے، وہ قاہرہ کے اندر برف زدہ ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھی ہے۔ اسے کیا پڑی ہے کہ وہ غزہ کی سخت گرمی میں آئے، مشکلات کا اندازہ لگائے، میونسپل ادارے بنائے، نئی پولیس قائم کرے۔ وہ تو سکون زدہ ہے۔ لمبی چوڑی گاڑیوں، بڑی بڑی تنخواہوں اور پر تعیش مراعات کے حصار میں ہے۔ اسے کسی سانپ نے یا کالے بچھو نے کاٹا ہے کہ الفتح السیسی کے گھروں سے باہر بھی نکلے۔ اب وہاں انہیں ڈاکٹر زمرسی کا ڈر نہیں ہے۔

ہاں! اس بوڑھے بلیئر کو مت بھولیے گا جس کو مسلمان کا خون ہی ذائقہ دیتا ہے، وہ بھی غزہ میں داخل نہیں ہو سکا۔ ورنہ ایک مکار شیطان ہے۔ شیطان کی قرآن پاک نے یہ نشانی بتائی ہے کہ وہ انسان کو صرف چاروں سمت سے نہیں بل کہ ہر طرف سے دیکھتا ہے۔ یہی حال اس بوڑھے بلیئر شیطان کا ہے۔ ابلیس بھی سوچتا ہوگا کہ مسلم دشمنی ہی کرنا تھی تو یہی کافی تھا، میں کیوں مردود بن بیٹھا۔

اب تو کوئی یہ سوال بھی نہیں کرتا کہ ٹرمپ کا وہ سمارٹ داماد جیریڈ کشنر کہاں ہے، سٹیو وٹکوف غزہ کیوں نہیں آتا۔ یہ لوگ کہاں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت

واشنگٹن کچھ شیطانوں کے گھیرے میں ہے۔ یہ بھی ان میں سے ہی ہیں۔ ٹرمپ انتظامیہ ساری کی ساری ایسے ہی لوگوں کے حصار میں ہیں۔ اکیلا ٹرمپ امریکی عوام کا مجرم نہیں، یہ بھی ہیں۔ یہ اس وقت امریکہ کی خاصی بڑی فوجی قوت، اسرائیل کے فوجی و انتظامی اور شہری ڈھانچے کو تباہ کرا چکے ہیں۔ ابھی اور کردار آئیں گے۔

اسی طرح کا ایک اور کردار مائیک حکابی کا ہے۔ ان سب کا سردار مارکو روبیو ہے، لیکن اب دنیا (PNA AMERICANA) کے ظالم ترین عہد سے باہر نکل رہی ہے۔ یہ ایک اچھی بات ہے لیکن مسلم حکمرانوں کا کردار مسلم کش ہے۔ انہوں نے غزہ کو محض اس بات کی سزا دی یا تین کھرب ڈالر امریکہ کو دے کر دلوائی کہ وہ آزادی اور حریت کی بات کرتے تھے۔ وہ اسلام کی سربلندی کی بات کرتے تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر محمد مرسی کو صدر مصر ہونے کے باوجود عدالتی پنجرے میں شہید کرا دیا۔ انہوں وہ کچھ کیا جس کے لیے تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔

لیکن کیا تاریخ محمد بن سلمان المعروف ایم بی ایس، محمد بن زید المعروف ایم بی زیڈ، بحرین کے حکمران خاندان، قطر کے آل خلیفہ خاندان یا ان حکمرانوں کو محض یہ خطرہ تھا کہ غزہ میں اسماعیل ہنیہ، ابوابراہیم السنوار یا ان کا کوئی جانشین باقی رہ گیا تو وہ ابراہم اکارڈ کو مسترد کر دے گا، اسرائیل کے قبضے کو نہیں مانے گا، وہ اسرائیل کے وجود کو ہی ختم کرنے کی بات کرے گا۔ ان سب کرداروں نے ہی مل کر ''یہودی پسندیدہ قوم''، ''عظیم تر اسرائیل'' کے نعروں کو آگے بڑھایا، مسلم امہ کو اس خبط میں مبتلا کر دیا کہ تم ان کا مقابلہ ہی نہیں کر سکو گے۔

یہ ان حکمران خاندانوں کی ناکامیاں تھی۔ اب یہ اپنے اپنے ملک میں اپنے عوام سے کہہ رہے ہیں کہ فوج میں بھرتی ہو جائیں۔ ممکن ہے کہ یہ فوجیوں بھی بنا لیں لیکن ایران کا آج امریکہ سے ''صلح صفائی'' کا معاہدہ ہو جائے تو کیا یہ چھاؤنیوں شکل میں ان ممالک پر پھر سے قابض نہیں ہو جائے گا۔ یہ مسلم امہ کے ہی نہیں، یہ خود اپنے بھی دشمن ہیں۔ آج یہ امریکی صدر کو ایک کھرب 40 ارب ڈالر کا جہاز تحفہ میں دے رہے ہیں اور اس سے کہہ رہے ہیں کہ ایران کی اینٹ سے اینٹ بجا دو تو کل یہ ایک دوسرے کی اینٹیں اٹھانے کے لیے قطار میں نہیں لگ جائیں گے؟ یقیناً ایسا ہی کریں گے۔

اب یہ سب ممالک مل کر اسرائیل سے کہیں کہ وہ نئی انتظامیہ کو غزہ آنے دے، جسے اس نے ابھی تک تسلیم ہی نہیں کیا۔ اگر حماس اس انتظامیہ کو تسلیم نہ کرتی اور ذمہ داریاں اس کے حوالے نہ کرتی تو پھر ثالث کا کردار قبول کرنے والے ممالک اور ٹرمپ کو امن کا عالمی انعار دلوانے کے دعوے دار کیا حماس کو معاف کر دیتے؟ ان ممالک میں کوئی فلسطین کے حق میں نکلتا ہے تو اسے گردن سے دبوچ لیتے ہیں۔ اگر یہ سمجھا جائے کہ نئی انتظامیہ محض بورڈ آف پیس کا ڈرامہ ہے، تو کیا یہ غلط ہوگا۔ بورڈ آف پیس تو خود کسی پیس (Pace) میں نہیں ہے۔ وہ رچرڈ اور مائیکل ٹائپ لوگوں کے اذہان کی متروک شدہ زبان ہے۔

اسرائیل سے تو اب تک کسی نے سوال ہی نہیں کیا کہ وہ غزہ سے کیوں نہیں نکلا۔ تل ابیب میں یہودیوں کے سمپوزیم میں نیتن یاہو سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ غزہ پر 100 قبضہ کرے تو اس شاطر نے جواب دیا کہ 60 فیصد پر قبضہ ہو گیا، گویا اس کا غزہ سے فوج نکالنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ اس نے کمال ڈھٹائی سے حاضرین سے کہا کہ میں نے قابض افواج کو حکم دیا ہے کہ وہ 70 فیصد غزہ تک قبضہ وسیع کر لے۔ گویا ابھی مزید 10 فیصد تک قبضہ کے لیے مزید نسل کشی جاری رہے گی۔ اگر اوسط نکالی جائے تو 60 فیصد پر قبضہ کے لیے 75 ہزار فلسطینی شہید کر دیے گئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ 5.12 فیصد کے لیے فی 8 ہزار کو شہید کر دیا گیا تو مزید 10 فیصد پر قبضہ کے لیے مزید 6 سے 9 ہزار فلسطینی مار دیے جائیں گے۔ ثالث کہاں ہیں؟ نئی انتظامیہ کہاں ہے؟ ٹرمپ پلان کدھر ہے؟

اسرائیل سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ رفح کراسنگ کھولی جائے اور نہ ہی مسلم مصر سے کہا گیا کہ بھوک اور پیاس سے بلکتے، سسکتے اور روتے مرتے بچوں کا ہی خیال کریں۔ کس کے پاس دل ہے اور کون سا دل دھڑکتا ہے؟ ثبوت کیا ہے؟

اب ہم پاکستان کے اندر مسلمانوں سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ سچ، جاننے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ وہ اسماعیل ہنیہ اور دوسرے شہداء کا دکھ کیوں کر محسوس نہیں کرتے۔ کیا انہیں یہ خیال آتا ہے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں جب کہتے ہیں کہ ایک ہزار ماننے کے لیے ایک لاکھ مروا لیتے۔ خدارا! کچھ تحقیق بھی کر لیا کریں، کچھ سچ بھی جان لیا کریں لیکن شرم ہم کو مگر کہاں آتی ہے۔

اب کوئی بین الاقوامی فورم موجود نہیں جہاں غزہ کا مقدمہ پیش کیا جائے۔ اب تو یلو لائن والی فوج سے ایک معرکہ آرائی ہوگی۔ وہاں فوج نہتے فلسطینی شہید کر رہی ہے۔ وہاں خوں ریز جنگ غزہ کی منتظر ہے۔ یاد رکھیے کہ حماس کسی کی پراکسی نہیں ہے۔ وہ لبنان کی حزب اللہ نہیں ہے، حماس ایک جمہوری جماعت ہے۔ وہ غزہ کے تحفظ کے لیے آخر تک موجود رہے گی۔ اس کے غیر مسلح ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ غزہ کا محاصرہ اور ناکہ بندی ختم کی جائے۔ امدادی ٹرکوں کا آنا ممکن بتایا جائے، قابض فوج پہلے مرحلے میں غزہ اور پھر مغربی کنارے سے نکل جائے۔ ورنہ حماس کا غیر مسلح ہونے کا پروپیگنڈہ کا شکار ہونے والے اپنے کان صاف کرا کے حماس کو سنیں۔

حریت عمل: ربیٰ میسون

خلیل اسماعیل الحیہ حماس کے نئے سربراہ منتخب

غزہ کی مظلوم ارضِ مقدس پر مسلط کردہ نسل کشی کی ہولناک جنگ کے طوفانی اور لرزہ خیز پس منظر میں اسلامی تحریک مزاحمت 'حماس' کے افق پر جو بلند قامت شخصیات چمکی ہیں، ان میں مجاہدِ کبیر اور مدبر رہنما خلیل اسماعیل الحیہ کا اسمِ گرامی ستارۂ سحر کی مانند تاباں ہے۔ انہوں نے ایک ایسے انتہائی پُر آشوب، سنگلاخ اور پیچیدہ دور میں سفارت کاری اور بالوسطہ مذاکرات کی آتشیں گھاٹیوں کو عبور کیا جب صہیونی جارحیت اپنے عروج پر تھی اور دنیا بھر کے ایوانوں سے جنگ بندی کے مطالبات کے باوجود خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی۔

پیر کے روز اسلامی تحریک مزاحمت 'حماس' نے باضابطہ طور پر اس امر کا اعلان کیا ہے کہ مجاہد رہنما خلیل الحیہ کو شہید یحییٰ سنوار کی شہادت کے بعد ان کی جگہ تحریک کے سیاسی بیورو کا نیا سربراہ منتخب کر لیا گیا ہے۔

حماس کے تنظیمی ڈھانچے میں خلیل الحیہ کسی تعارف کے محتاج نہیں، وہ طویل عرصے سے تحریک کے مرکزی سیاسی بیورو کے رکن اور غزہ کی پٹی کے نائب صدر کے طور پر فراست اور شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے غزہ میں جماعت کی قیادت کا بارانِ گراں اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ وہ ان یگانہ روزگار قائدین میں سے ہیں جنہوں نے مساجد کی محرابوں سے لے کر جامعات کے ایوانوں تک اور فکری دعوت سے لے کر میدانِ سیاست کی کٹھن راہوں تک ہر محاذ پر گہرے نقوش چھوڑے۔ فلسطینی تحریکِ آزادی کے تاریخ ساز اور فیصلہ کن موڑ پر مذاکرات کی میز پر بھی اپنے فولادی عزم کا لوہا منوایا۔

جنگ کی تپتی بھٹی میں سفارت کاری کی قیادت

سات اکتوبر 2023ء کو 'طوفان الاقصیٰ' کے تاریخی دھماکے اور اس کے بعد غزہ کی پٹی پر مسلط ہونے والی ہمہ گیر جنگ کے فوری بعد خلیل الحیہ حماس کے سیاسی اور سفارتی منظر نامے کے مرکزِ نگاہ بن گئے۔ انہوں نے فروری 2024ء میں مصر کے دارالحکومت قاہرہ جانے والے حماس کے اعلیٰ سطحی وفد کی قیادت کی تا کہ جنگ بندی اور خونریزی کے خاتمے کے لیے مذاکرات کے بند دروازے کھولے جا سکیں۔ خبر رساں ایجنسیوں (بشمول رائٹرز) اور تحریک کے سرکاری بیانات کی تصدیق کے مطابق وہ مصر اور قطر کی ثالثی میں ہونے والے تمام بالواسطہ مذاکراتی دور میں وفد کے بلا شرکتِ غیرے قائد رہے۔

اس کے علاوہ انہوں نے اسیران کے تبادلے کے انتہائی حسّاس اور پیچیدہ معاملے کو بھی غایت درجے کی حکمت سے نبھایا۔ انہوں نے متعدد بین الاقوامی انٹرویوز میں تحریک کے مؤقف کی ترجمانی کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں اعلان کیا کہ کوئی بھی سمجھوتہ اس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہو سکتا جب تک وہ غزہ پر فوجی کارروائیوں کے مکمل خاتمے اور محاصرے کے خاتمے کی ضمانت فراہم نہ کرے۔

ابتدائی ایام اور درس تدریس

خلیل الحیہ پانچ نومبر 1960ء کو غزہ کی آغوش میں پیدا ہوئے۔ ان کی آنکھیں ایک

ایسے ماحول میں کھلیں جو 1967ء کی جنگ کے تلخ صدمات اور سیاسی زلزلے سے براہ راست دوچار تھا۔صیہونی فوج کے وحشیانہ چھاپوں اور گھروں کی تلاشیوں کے مناظر نے ان کے طفولیت ہی میں سیاسی شعور کو بیدار کر دیا اور ان کے دل میں مزاحمت کا تخم بو دیا۔

انہوں نے اپنی ابتدائی و ثانوی تعلیم غزہ کے مکاتب سے حاصل کی، جس کے بعد وہ اسلامی یونیورسٹی کی طرف مائل ہوئے اور 1983ء میں اصولِ دین میں سندِ فراغت (بیچلر) حاصل کی۔علم کی پیاس نے انہیں اردن کے دارالحکومت عمان کھینچا، جہاں انہوں نے 1986ء میں جامعۃ اردنیہ سے حدیثِ نبوی اور علومِ حدیث میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی اور پھر 1997ء میں سوڈان کی جامعۃ القرآن الکریم والعلوم ال إسلامیہ سے اسی علمی بحرِ بے کنار میں پی ایچ ڈی کی سند حاصل کر کے علم و عمل کا ایک روشن باب رقم کیا۔

میدانِ عمل: تعلیمی، تنظیمی اور پارلیمانی سفر

خلیل الحیہ نے اپنے عملی سفر کا آغاز غزہ کی اسلامی یونیورسٹی میں تدریسی خدمات (بطور ڈین) سے کیا۔ وہ تدریس کی سیڑھیوں سے ہوتے ہوئے انتظامی مناصب تک پہنچے اور 2001ء میں طلبہ کے امور کے ڈین کے ذمہ دار مقرر ہوئے۔ انہوں نے اساتذہ اور ملازمین کی یونین کی صدارت بھی سنبھالی اور فکری و رفاہی خدمات کے انمٹ نقش چھوڑے۔

سیاسی میدان میں قدم رکھتے ہوئے وہ 2006ء میں حماس سے وابستہ 'التغییر لاوإصلاح' (تبدیلی اور اصلاح) لسٹ کے ٹکٹ پر فلسطینی قانون ساز کونسل (پارلیمنٹ) کے رکن منتخب ہوئے اور ایوانِ قانون میں اپنے پارلیمانی بلاک کی قیادت کی۔تحریک کے اندر انہوں نے عرب اور اسلامی تعلقات کے شعبے کی صدارت سمیت مرکزی میڈیا آفس جیسے حساس ترین محکموں کی ذمہ داریاں بھی حسنِ وخوبی سے نبھائیں۔

آزمائشوں کی بھٹی اور مزاحمت سے بھرپور زندگی

خلیل الحیہ نے اپنی جوانی کی دہلیز پر ہی 1980ء کی دہائی اوائل میں حماس کے مجدد اور بانی شہید شیخ احمد یاسین کی صحبت اختیار کی اور منظم اسلامی تحریک میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے اسلامی یونیورسٹی کے اندر 'اسلامک بلاک' کے پلیٹ فارم سے اپنے جوہر دکھائے اور پھر 1987ء کی پہلی عظیم فلسطینی انتفاضہ کے ہنگامہ خیز دنوں میں عوامی اور تنظیمی صفوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔

قابض صیہونی ایوانوں میں ان کے خلاف انتقامی کارروائیوں کا بازار گرم رہا اور انہیں تین مرتبہ قید و بند کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔ان میں سب سے طویل اسیری 1991ء کی تھی جب انہوں نے ظالمانہ سزاؤں کے تحت 3 سال جیل کی کال کوٹھریوں میں گذارے۔ فلسطینی روایات اور انسانی حقوق کی دستاویزات گواہ ہیں کہ انہیں ان ابتدائی ایام میں بھی وحشیانہ جسمانی اور نفسیاتی تشدد کا نشانہ بنایا گیا، مگر ان کے پائے استقامت میں کوئی لغزش نہ آئی۔

قربانیوں کا لامتناہی سلسلہ

خلیل الحیہ کی حیاتِ مستعار آزمائشوں اور قربانیوں کا ایک مرقع ہے۔انہیں جسمانی طور پر ختم کرنے کے لیے متعدد قاتلانہ حملے کیے گئے، جن میں سب سے دلخراش سانحہ 2007ء میں پیش آیا جب صیہونی طیاروں نے ان کے گھر کو نشانہ بنا کر خاک میں ملا دیا، جس کے نتیجے میں ان کے خاندان کے 7 افراد نے جامِ شہادت نوش کیا۔اس کے بعد 2008ء میں ان کے چشم و چراغ حمزہ جو القسام بریگیڈز کے نڈر مجاہدین میں شامل تھے، ایک اسرائیلی فضائی حملے میں راہِ حق میں کام آئے۔

پھر 2014ء کی جنگ میں غزہ کے مشرقی علاقے میں واقع ان کے گھر پر گرائے جانے والے بموں نے ان کے دوسرے لختِ جگر اسامہ کو ان کے اہل خانہ کے دیگر افراد سمیت شہید کر دیا، جبکہ خلیل الحیہ خود اس ہولناک حملے میں معجزانہ طور پر محفوظ رہے۔ان کا مسکن ہر جنگ اور وحشیانہ بمباری کا نشانہ بنتا رہا، جن میں اکتوبر 2023ء کی تباہ کن بمباری بھی شامل ہے۔

ستمبر 2025ء میں قطری دارالحکومت دوحہ میں تحریک کے مذاکراتی وفد کے دفتر پر بزدل صہیونیوں کے ایک بزدلانہ حملے میں ان کے عزیز فرزند ہمام نے بھی شہادت کا جامِ نوش کیا۔

پھر مئی 2026ء میں ان کے چوتھے فرزند عزام بھی غزہ شہر کے مشرقی محلے حی الدرج پر صہیونی درندوں کی طرف سے گرائے جانے والے بموں کی زد میں آ کر شدید زخمی ہوئے اور بالآخر زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔

خلیل اسماعیل الحیہ نے جماعت کی حکمتِ عملی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے متعدد سفارتی دورے بھی کیے، جن میں 2022ء میں دمشق کا سفر کرنے والے حماس کے وفد میں شمولیت بھی شامل ہے۔نومبر 2023ء میں جنگی حالات میں حزب اللہ کی قیادت سے ملاقات اور باہم مشاورت کے لیے لبنان جانے والے اعلیٰ سطحی وفد کی قیادت بھی انہوں نے ہی فرمائی۔

پیش منظر: شعلہ لعل / ترجمہ: الیاس بیگ

غزہ حکومت کی تحلیل: حماس کا اقدام

حماس نے تقریباً بیس سال غزہ حکومت میں رہنے کے بعد اسے تحلیل کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ حماس نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ وہ حکومت نئی ٹیکنو کریٹ گورننگ باڈی کے حوالے کر رہی ہے۔

یہ اقدام امریکہ کے ٹرمپ پلان پر عمل درآمد کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔ اس کے تحت گزشتہ سال جنگ بندی کی گئی تھی تاکہ اسرائیل کی غزہ پر جنگ اور بمباری روکی جا سکے۔

تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ حماس کا یہ اقدام اسرائیل پر دباؤ بڑھانے کے لیے عمل میں لایا گیا ہے تاکہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کو علم ہو سکے کہ حماس معاہدے پر عمل درآمد میں سنجیدہ بھی ہے اور اس کے مطابق عمل بھی کر رہی ہے۔ اس اقدام نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ حماس نئی ٹیکنو کریٹ انتظامیہ کو معاملات سونپ رہی ہے۔ اس طرح وہ تباہ حال غزہ کی تعمیر نو میں سنجیدہ ہے۔ غزہ حکومت کے میڈیا آفس کے جنرل ڈائریکٹر اسماعیل الثوابتہ نے کہا ہے کہ غزہ میں اس اہم پیش رفت سے جارحیت کے خاتمے میں مدد ملے گی اور نسل کشی کو روکا جا سکے گا، غزہ سے اسرائیلی افواج کے انخلاء میں مدد ملے گی، کراسنگز کو کھولا جا سکے گا تاکہ امدادی ٹرکوں کی بہ سہولت آمد و رفت یقینی بنائی جائے۔ غزہ میں مسلط کردہ بھوک ختم کی جا سکے گی۔

اکتوبر 2025ء سے جاری جنگ بندی معاہدہ کے باوجود کم از کم 1075 فلسطینی شہید کیے جا چکے ہیں۔ نسل کشی میں اکتوبر سے پہلے تک 73,098 شہید کیے گئے۔ یہ سب اسرائیل نے غزہ پر مسلسل حملوں میں شہید کیے۔ یہ حملے اکتوبر 2023ء سے جاری رہے۔

اسرائیل غزہ کے 70 فیصد حصے پر قابض ہے یا اسے کنٹرول کر رہا ہے۔ فلسطینیوں کو ایک ہجوم کی صورت میں بقیہ 30 فیصد تک محدود کر دیا گیا ہے۔

ہم یہاں ان حالات کا جائزہ لیں گے جن کی وجہ سے حماس کو یہ فیصلہ لینا پڑا ہے اور دیکھیں گے کہ نئی ٹیکنو کریٹ انتظامیہ کا عمومی تاثر کیا بنے گا۔

حماس نے کیا اعلان کیا؟

الاقصیٰ ہسپتال کے صحن میں اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے نئی انتظامیہ کے میڈیا ڈائریکٹر الثوابتہ نے بتایا کہ حماس انتظامیہ کے سربراہ محمد عبدالخالق الفرا نے اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ حماس غزہ کا انتظام اور حکومت غزہ کے لیے بنائی گئی نئی قومی کمیٹی کے حوالے کر دے گی۔ اس کمیٹی کو فلسطینی چلائیں گے، اسے اقوام متحدہ کی حمایت حاصل ہوگی اور امریکی مینڈیٹ کے تحت کام کرے گی۔ الثوابتہ نے بتایا کہ حماس انتظامیہ کے تکنیکی اور پیشہ ور اہلکار بدستور کام کرتے رہیں گے۔ وہ روزانہ کی بنیاد پر معاملات کو آگے لے کر چلیں گے۔ الثوابتہ نے کہا کہ تمام ملازمین اپنے اپنے کام نئی قومی کمیٹی کے لیے کرتے رہیں گے۔ حماس کے ترجمان حازم قاسم نے اس فیصلے کو مثبت قدم قرار دیا ہے اور امید ظاہر کی ہے کہ اس سے جنگ بندی کے فیصلے پر عمل درآمد میں مدد ملے گی۔

نئی انتظامیہ کیا ہے؟

غزہ کے انتظام و حکومت کے لیے نئی کمیٹی این سی اے جی (NCAG) کہلائے گی۔ یہ کمیٹی اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد 2803 کے تحت قائم کی گئی تھی۔ اس کا انعقاد جنوری 2026ء میں عمل میں لایا گیا تھا تاکہ غزہ سے نسل کشی مکمل طور پر ختم کی جا سکے۔

نئی قومی کمیٹی ایک عبوری کمیٹی ہوگی جس میں فلسطین کے ٹیکنو کریٹس شامل ہیں۔ اس کے قائم مقام سربراہ علی عبدالحامد یشاتھ ہوں گے۔ ان کی حیثیت غیر جانبدار انتظامیہ کی ہوگی۔ تاہم اسرائیل نے اب تک کمیٹی کے بارے میں کوئی اعلان نہیں کیا ہے۔ کمیٹی کا عارضی صدر مقام قاہرہ کو قرار دیا گیا ہے۔

الثوابتہ نے میڈیا کو بتایا کہ ہم تمام متعلقہ فریقوں سے کہیں گے کہ وہ نئے اقدامات کا ساتھ دینے میں جلدی کریں تاکہ جس قدر جلد ہو سکے کمیٹی اپنے امور سرانجام دینے کے لیے قومی و انتظامی ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔

این سی اے جی اپنے کام اور اقدامات کی رپورٹ امریکی صدر ٹرمپ کے قائم کردہ بورڈ آف پیس کے ہائی کمشنر کو دے گی۔ اس کے علاوہ وہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو بھی رپورٹ دے گی۔ مغربی کنارے میں قائم فلسطینی اتھارٹی کے بارے میں خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ وہ حتمی طور پر غزہ کا حکومتی انتظام بھی سنبھالے گی۔ توقع ہے کہ وہ 2027ء میں یہ کردار سنبھالے گی۔

این سی اے جی کا کام زیادہ تر سول امور کی انجام دہی تک محدود رہے گا۔ اس میں صحت، تعلیم اور پانی کی فراہمی اور نکاسی کے امور شامل ہوں گے۔ تاہم امن و امان قائم رکھنے کا کام بھی یہی کمیٹی کرے گی۔ اس کے لیے اسے ایک یونی فائیڈ پولیس فورس کی مدد حاصل ہوگی۔

سوموار کو (X) پر اپنے ایک بیان میں کمیٹی کے سربراہ نے کہا ہے کہ ان کی کمیٹی نے حماس کے اعلان کا جائزہ لیا ہے۔ کمیٹی غزہ کی پٹی کا نظام سنبھالنے کے لیے تیار ہے۔ اسے بعض مخصوص شرائط کے پورے ہونے کا انتظار ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ یقین دلاتے ہیں کہ کمیٹی اپنی قومی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے تیار ہے۔ اسے ضروری حالات کے نافذ ہونے کا انتظار ہے تاکہ وہ اپنے امور درست طریقے سے سرانجام دے سکے۔

کمیٹی کے کام کے لیے جو حالات ضروری ہیں، ان میں واحد گورننگ اتھارٹی کی ضرورت ہے جو اپنے امور کی انجام دہی میں اسے درکار ہے۔ اسے واضح مینڈیٹ چاہیے اور ایک سلامتی کا نظام بھی درکار ہوگا جو اتھارٹی کے سامنے جواب دہ ہو۔

کیا یوں حماس غیر مسلح ہو سکے گی؟

امریکہ اور اسرائیل بار بار مطالبہ کر چکے ہیں کہ غزہ میں دوسرے مرحلے کے آغاز سے پہلے حماس کو غیر مسلح ہونا ہوگا تاکہ غزہ کے امن پلان پر عمل کیا جائے۔ تاہم حماس کا مؤقف ہے کہ معاہدے پر عمل درآمد کے لیے اسرائیل نے اب تک اپنے حصے کا کام نہیں کیا ہے۔ اس نے غزہ سے اپنی فوج مکمل طور پر نہیں نکالی ہے۔ سوموار کو اپنے اعلان میں حماس نے غیر مسلح ہونے کی کوئی بات یا اس کا کوئی اشارہ بھی نہیں دیا۔ اس نے یہ ضرور کہا ہے کہ سیکیورٹی کا نظام نئی حکومت کی ذمہ داری ہے تاکہ عبوری نظام کام کر سکے۔

حماس کے بیان کے جواب میں اسرائیل کے وزیر خارجہ نے اسے مسترد کر دیا ہے اور اسے حماس کا ایک ڈھونگ قرار دیا ہے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ حماس غزہ میں حزب اللہ طرز کا کام کرنا چاہتی ہے جس کی موجودگی میں ٹیکنو کریٹ حکومت اس کی محتاج رہے گی۔ جب تک حماس اپنے ہتھیار حکومت کے حوالے نہیں کرے گی، کسی بھی ٹیکنو کریٹ حکومت کو حماس کی مرضی کے مطابق چلنا ہوگا۔

اسرائیل کے بارے میں وزیر خارجہ نے کہا کہ معاہدے پر مکمل عمل درآمد کرنا ہوگا۔ حماس کا غیر مسلح ہونا نہایت اہم ہے۔ دوسری تمام دہشت گرد تنظیموں کو بھی غیر مسلح ہونا ہوگا تب ہی غزہ کو غیر فوجی علاقہ قرار دیا جا سکے گا۔

حماس نے موجودہ اعلان کیوں کیا؟

اب یہ بات کہی جا رہی ہے کہ حماس نے اپنی حکومت تحلیل کرنے کا یہ اچانک اعلان کیوں کیا؟ مبصرین کا کہنا ہے کہ حماس نے بہت اہم قدم اٹھایا ہے۔ اس نے اسرائیل کے اس مؤقف کو قبل از وقت بے اثر کر دیا ہے کہ حماس غزہ کی گورننگ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور صدر ٹرمپ کے امن پلان پر عمل ہی نہیں کرنا چاہتی۔ اس بارے میں محمد شہادہ وزیٹنگ فیلو یورپین کونسل آن فارن ریلیشنز نے الجزیرہ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسرائیل نے معاہدے پر عمل درآمد کرنے میں مہینوں لگا دیے ہیں۔ وہ ٹرمپ حکومت کو اس امر پر قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ حماس کے اندر گروپ بنے ہوئے ہیں جو اسے عمل کرنے سے روک رہے ہیں۔ حماس نے اعلان کر کے اسرائیل کے پروپیگنڈے میں سے ہوا نکال دی اور جب کہ اسے حکومت پر مکمل کنٹرول حاصل تھا۔ اسے تحلیل کر کے اسرائیلی حکومت کو شرمندہ ہونے پر مجبور کر دیا کہ وہ جو کچھ اور کرانا چاہ رہی تھی، وہ سراسر لغو بیانی ہے۔ حماس صرف مناسب وقت کے انتظار میں تھی۔ وہ غزہ میں اپنی مکمل گرفت رکھتی ہے۔ نکولے ملادینڈ نے ایک رپورٹ میں حماس پر الزام لگایا تھا کہ حماس تعاون کرنا ہی نہیں چاہتی۔ وہ امن پلان کے ناکام ہونے کا انتظار کر رہی ہے۔ یہی رپورٹ اقوام متحدہ کے اندر سلامتی کونسل کو پیش کی گئی۔

حماس نے اپنے اعلان میں کہا کہ وہ 2023ء میں ہی اپنی حکومت تحلیل کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت امریکہ کے صدر جو بائیڈن کے تحت مذاکرات میں بھی حماس نے حصہ لیا تھا۔ اگر اس وقت اسی اقدام کے لیے حمایت نہیں موجود تھی۔

اس وقت حماس جو کچھ کر رہی ہے، وہ صدر ٹرمپ کو باور کرا رہی ہے کہ وہ 20 نکاتی امن فارمولے کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ ٹرمپ کو معاملے کی تفصیلات میں قطعی کسی نوعیت کی دلچسپی نہیں ہے۔ تاہم انہوں نے حماس کے اعلان کا خیر مقدم کیا ہے۔

شہادہ نے جو اہم بات کی ہے کہ حماس نے اسرائیل کی اس کوشش کو ناکام بنایا ہے جس کے تحت وہ یہ بھی باور کرا رہی تھی کہ یہ نظام کام کرنے کے قابل ہی نہیں ہے اور وہ مستقبل کی غزہ حکومت کو بہت محدود غزہ تک لے جانا چاہتی تھی۔ اسے اسرائیلی حکام ''ایک نیا رفاہ'' قرار دے رہے تھے۔ ٹرمپ حکومت اب تک اسرائیل کے ساتھ کھڑی تھی۔ مبصرین غزہ کو کنسنٹریشن کیمپ قرار دینے لگے تھے۔ بورڈ آف پیس نے حماس کے اقدام کو درست سمت میں پیش رفت قرار دیا ہے۔

براہ راست رپورٹ: وقاص بل

حماس نے کیا حاصل کیا؟؟؟

حماس نے غزہ میں اپنی حکومت تحلیل کرنے کا اعلان کر دیا

فلسطینیوں کے پاس بچی ہوئی زمینیں چھین کر۔۔۔امریکہ، یورپ اور افریقہ سے آنے والے نئے صہیونی آبادکاروں میں بانٹی جا رہی ہیں۔۔۔یہ مسلسل اور بغیر وقفے کے ہو رہا ہے۔۔۔

آج بھی کسی نئی فلسطینی بستی میں اسرائیلی فوج ٹینکوں سمیت داخل ہوتی ہے۔۔۔فلسطینیوں کو زبردستی نکالا جاتا ہے اور صہیونی آبادکاروں کو قبضہ کروایا جاتا ہے۔۔۔ان کی عبادت گاہوں کو گرایا جاتا ہے اور ہزاروں فلسطینی نوجوان اسرائیلی جیلوں میں دردناک زندگی گزارنے کے لیے بند کر دیے جاتے ہیں۔۔۔اور اس کی تعداد بڑھتی ہی رہتی ہے۔۔۔

نہ کسی عدالت میں پیشی ہوتی ہے نہ کسی عزیز کی ملاقات ہوتی ہے۔۔۔اور ان کی پوری عمر ایک کوٹھڑی میں گزر جاتی ہے۔۔۔

غزہ میں بیس لاکھ انسانوں کو قید کر کے رکھا گیا ہے وہ الگ قصہ ہے۔۔۔

المختصر۔۔۔

یہ سب ہو رہا تھا سالوں سے نہیں پون صدی سے لیکن۔۔۔

دنیا اسے اب بھلا چکی تھی۔۔۔عرب ملک لاکھوں شہیدوں کا خون بیچ کر اور غیرت کا سودا کر کے۔۔۔اسرائیل کے گلے میں باہیں ڈال کر دوستی کا جھولا جھولنے چلے تھے

تب۔۔۔حماس کو لگا کہ یہ آخری موقع ہے

جینے کا۔۔۔نہیں

عزت سے مرنے کا اور دنیا کو بے حسی کی نیند سے جگانے کا۔۔۔آخری موقع

انہوں نے پلان کیا اور 7 اکتوبر 2023ء کو اسرائیل پر ایک آخری بھرپور حملہ کیا

بہت لوگوں نے کہا کہ یہ خودکشی ہے۔۔۔ہاں لیکن اور کیا راستہ بچا تھا ان کے پاس؟؟؟

اسرائیل غزہ پر چڑھ دوڑا۔۔۔حماس مقابلے کے لیے ڈٹ گئی۔۔۔

لبنانی جماعت میدان میں اتر آئی۔۔۔بے انتہا نقصان اٹھایا لیکن میدان سے نہیں بھاگی۔۔۔حزب کی ساری لیڈرشپ نے اپنی اور اپنے خاندان کی جانوں کی قربانیاں دیں لیکن استقامت کا راستہ نہیں چھوڑا۔۔۔

حماس نے بھی یہی کیا۔۔۔ان کے لیڈر میدان میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔۔۔یمن کے حوثیوں نے بھی یہی کیا۔۔۔ایرانیوں نے بھی یہی کیا۔۔۔ٹاپ کی لیڈرشپ ماری گئی لیکن وفا کی نئی داستان رقم کر دی

آج ہم لوگوں کو دیکھتے ہیں جو اپنے ہی محافظوں پر بھونکتے ہیں۔۔۔جنہوں نے آخری سانس تک اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن سے لڑ کر ثابت قدمی دکھائی۔۔۔

دکھ ان لوگوں پر ہوتا ہے جن کا اپنا عمل اور کردار اس پوری جنگ میں تماشائی سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔۔۔نہ ان میں انسانیت ہے نہ ان میں اصول پسندی کا کوئی عنصر موجود ہے۔۔۔اور

یہ بزدل سب کو اپنے جیسا بننے کا درس دیتے ہیں۔۔۔

۔۔۔حماس نے کیا حاصل کیا اور ان کا ساتھ دینے والے ایران، لبنان، یمن اور عراق نے کیا کامیابی حاصل کی؟؟؟

انہوں نے آج فلسطین کا زکو دنیا کے نقشے پر پھر سے اجاگر کر دیا ہے۔۔۔

انہوں نے۔۔۔اسرائیل اور امریکہ کو دنیا میں تنہا کر دیا ہے۔۔۔

انہوں نے یورپ و امریکہ سمیت دنیا کی نئی نسل کو ظالم اور مظلوم کی پہچان کروا دی ہے۔۔۔

انہوں نے امریکہ کے سپر پاور کا بھرم اور اسرائیل کے ناقابل شکست ہونے کا بت توڑ دیا ہے۔۔۔

انہوں نے آزادی کا راستہ بتا دیا ہے اور دنیا کے ہر کمزور ملک کی جنگ خود لڑ کر ساری دنیا میں ایک انقلاب بیداری کا چراغ روشن کر دیا ہے۔۔۔

حماس جو کر سکتی تھی اس نے اس سے کہیں زیادہ کیا ہے۔۔۔اب اس سفر کو جاری رکھنے کے لیے ایک اور نسل تیار ہو چکی ہے۔۔۔اور جلد ہی دنیا اس کے آثار دیکھے گے۔۔۔

اسرائیل مکڑی کے جالے سے کمزور ہے یہ بھی جلد نظر آ جائے گا۔۔۔کیوں کہ اسرائیل اب اپنے وجود کے تمام قانونی اور اخلاقی جواز کھو چکا ہے۔۔۔اس کے ادارے بکھر رہے ہیں اور معاشرہ ٹوٹ رہا ہے۔۔۔دنیا اسے اب کوئی ملک نہیں سمجھتی بلکہ۔۔۔دہشتگردی کا ایک اڈا، نسل کشی اور جرائم کرنے والی ایک طاقت کے طور پر دیکھتی ہے۔

خصوصی گفتگو: حافظ عمر فاروق (مترجم)

حماس کا ہتھیار ڈالنے سے انکار

ٹیکنوکریٹ کمیٹی اور اسرائیلی ہٹ دھرمی: حقائق کیا ہیں؟

غزہ کی پٹی پر جاری سنگین انتظامی اور انسانی بحران کے تناظر میں، ایشیا ون نیوز (Asia One News) کے اس خصوصی انٹرویو میں فلسطینی رہنما ڈاکٹر خالد قدومی انتظامی کمیٹی کی تحلیل، سیاسی تعطل، امداد کی بندش اور زمینی حقائق پر تفصیلی گفتگو کر رہے ہیں۔ اس انٹرویو میں وہ حماس کے سیاسی کردار، جنگ کے دوران قائم ہونے والی ہنگامی کمیٹیوں کی حقیقت اور محصور عوام کو درپیش شدید ترین انسانی و غذائی بحران کا احاطہ کر رہے ہیں۔

میڈیا کا ایک حصہ یہ بات کر رہا ہے کہ حماس کو ہی تحلیل کر دیا گیا۔ کیا یہ درست ہے؟

ڈاکٹر خالد قدومی: مجھے یہاں ایک تصحیح کرنے دیں، یہ حماس کو تحلیل کرنے کا معاملہ نہیں ہے۔ یہ دراصل ہنگامی کمیٹی کے سربراہ جناب اسماعیل الثوابتہ کے استعفے کا معاملہ ہے، جسے 2023ء میں جنگ کے دوران قائم کیا گیا تھا تاکہ عام لوگوں کی ذمہ داریوں کو سنبھالا جا سکے۔

آپ جانتے ہیں، بدقسمتی سے دنیا نے اس جمہوریت کو تسلیم نہیں کیا جس کے نتیجے میں ہم 2006ء کے انتخابات میں فاتح بن کر ابھرے تھے۔ انہوں نے ایک دن کے لیے بھی اس صورتحال کو قبول نہیں کیا، اور پھر بدقسمتی سے ہمیں اسرائیلی افواج کی طرف سے محاصرے کا سامنا کرنا پڑا، جسے اس وقت کی امریکی انتظامیہ کی آشیرباد حاصل تھی اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے، اور پھر جب غزہ پر اسرائیلی جارحیت جاری رہی تو ظاہر ہے کہ لوگوں کے حالاتِ زندگی کو چلانے کے لیے آپ کو مزید آگے بڑھنا ہوتا ہے، چناں چہ ہم نے وہاں ایک عارضی طریقہ کار اختیار کیا جسے ''ہنگامی کمیٹی'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ کوئی حکومت نہیں ہے، کیوں کہ 2011ء میں شہید اسماعیل ہنیہ جو اس وقت فلسطین کے وزیر اعظم تھے، انہوں نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا تھا تاکہ کسی بھی ایسے شخص کے لیے کوئی بہانہ باقی نہ رہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حماس اقتدار میں ہے یا حماس نام نہاد دہشت گرد ہے اور وہ ان کے ساتھ لین دین نہیں کرنا چاہتے۔

چناں چہ فلسطینیوں میں سب سے مقبول شخصیت، یعنی شہید اسماعیل ہنیہ نے اپنا استعفیٰ پیش کیا اور اسے دنیا کے سامنے رکھا کہ ''اب آپ آئیں اور یہاں کی صورتحال کو چلائیں۔'' ہم نے مغربی کنارے میں اپنے بھائیوں کو بھی بلایا جس کے سربراہ صدر محمود عباس ہیں کہ وہ آئیں اور معاملات سنبھالیں، ہم نے مصر جیسے ثالث بھائیوں کو بھی بلایا کہ

وہ آئیں اور اس معاملے میں ثالثی کریں، لیکن بدقسمتی سے اسرائیل نے ہمارے خلاف چار سے زائد جارحانہ جنگیں لڑیں، جیسے وہ ہمارے لوگوں کو ان کی اپنی جمہوری اور آزادانہ مرضی کی سزا دے رہے ہوں کہ انہوں نے حماس کو اپنا نمائندہ کیوں چنا۔

ہنگامی کمیٹی کو درپیش چیلنجز کی نوعیت کیا تھا؟ اسرائیل اس کے بھی خلاف رہا۔ وجہ بتائیں گے؟

2023ء کی صورت حال میں ہم نے لوگوں کے انسانی ہمدردی کے معاملات، وزارتوں اور لوگوں کے روزمرہ کے معمولات کو چلانے کے لیے ایک ہنگامی کمیٹی تشکیل دی تھی اور پھر اس کے بعد صدر ٹرمپ کا امن منصوبہ سامنے آیا، جس کے سربراہ اب محترم ملاڈینوف ہیں، لیکن ملاڈینوف آج اپنے بیانیے میں مکمل طور پر جانبدار ہو چکے ہیں۔ وہ ہر میٹنگ میں واضح طور پر کہہ رہے ہیں کہ ''میں نیتن یاہو کے آفس سے آیا ہوں، اس لیے میں یہاں نیتن یاہو ہی کے تمام احکامات کے ساتھ آ رہا ہوں۔'' آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سفارتی یا سیاسی کوششوں کو آگے بڑھانے کے لیے ہمارے پاس واقعی کتنے اختیارات بچتے ہیں۔

چناں چہ ہر کوئی یہ بات کر رہا ہے کہ حماس کو غیر مسلح ہو جانا چاہیے، حماس کو اپنے ہتھیار رکھ دینے چاہئیں۔ دیکھیں جو بات سب پر واضح ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ یہ ایک مکمل پیکیج کا حصہ ہے جس پر شرم الشیخ میں مصری، قطری، ترکی اور بین الاقوامی اداروں کی ثالثی کے ذریعے دستخط کیے گئے تھے کہ ایک بڑا منصوبہ موجود ہے اور اس کا ایک پہلا حصہ ہے۔ اس منصوبے کے پہلے حصے پر اسرائیل نے کبھی عمل ہی نہیں کیا گیا تو پھر ہم ہمیشہ گاڑی کو گھوڑے کے آگے رکھنے پر کیوں اصرار کرتے ہیں اور پیچھے سے، یعنی دوسرے یا تیسرے مرحلے سے کام شروع کرنے کی بات کرتے ہیں؟

پہلا مرحلہ: اسرائیلی افواج اب بھی غزہ میں موجود ہیں، وہ ییلو لائن یا جسے اب وہ نارنجی لکیر (Orange Line) کہتے ہیں، وہاں سے بھی پیچھے نہیں ہٹے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ وہ کتنے متکبر ہیں۔

دوسرا مرحلہ: انہوں نے سرحدیں نہیں کھولیں، ہمارے پاس انسانی ہمدردی کی امداد جیسے خوراک اور پانی کی آزادانہ آمد کی سہولت نہیں ہے۔

تیسرا مرحلہ: انہوں نے تعمیر نو کے سامان کو غزہ کی پٹی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ اور اس کے باوجود یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ ہمیں کام کہاں سے شروع کرنا چاہیے؟ حماس کو غیر مسلح کرنے سے!

ان تینوں مراحل کی ناکامی کے بعد بھی منصوبہ قابل عمل ہے؟ کیا غزہ کے اندر بھی یا اسرائیل کے اندر سے بھی اسے ناکام بنایا جا رہا ہے؟

یہ چیز آپ کو بتاتی ہے کہ مسئلہ صرف حماس کے ہتھیاروں کا نہیں ہے، بل کہ یہ اس انتہا پسند، دائیں بازو کی مذہبی قیادت کی ذہنیت ہے جو آج اسرائیل میں موجود ہے، جیسے ابن غفیر اور سموٹریش، جو ہمیں انسان تک نہیں سمجھتے اور وہ چاہتے ہیں کہ صرف اسرائیل کا وجود رہے اور کسی دوسرے کو جینے کا حق نہ ہو۔ آج ہم نے ایک تجویز پیش کی ہے کہ اس ہنگامی کمیٹی کو تحلیل کر دیا جائے اور پھر ''فلسطینی نیشنل کمیٹی'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جائے جو ثالثوں اور ملاڈینوف کے امن بورڈ کی طرف سے تشکیل دیا گیا ہو، جس کے سربراہ ڈاکٹر علی شعث ہوں، یہ ٹیکنوکریٹ شخصیات ہیں۔ انہیں غزہ میں داخل ہو کر صورت حال کو چلانا چاہیے، لیکن بدقسمتی سے اس کمیٹی کو بنے کئی ماہ گزر چکے ہیں مگر اسرائیلی انہیں اجازت نہیں دے رہے۔ چناں چہ ہم نے سیدھی سی بات کہی ہے کہ اگر پورا مسئلہ یہ ہے کہ حماس اس ہنگامی کمیٹی میں شامل ہے تو ہم یہاں اپنے لوگوں کا استعفیٰ پیش کر رہے ہیں، آپ آگے آئیں اور قیادت سنبھالیں۔ لیکن بدقسمتی سے اس وقت بھی جب ہم نے اس بات کا اعلان کیا، نیتن یاہو نے اس تجویز کو مسترد کر دیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ شروعاتی نقطہ حماس کا غیر مسلح ہونا ہی ہوگا، جو کہ غیر منطقی ہے اور صدر ٹرمپ کے پورے منصوبے کے بالکل خلاف ہے۔ خیر اگر آپ اسی بات پر اصرار کرنا چاہتے ہیں، تو پھر آیئے اس نام نہاد امن منصوبے کے علاوہ کسی اور چیز پر بات کرتے ہیں جس پر سب نے دستخط کیے تھے اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں بھی اس کی ایک شق موجود ہے۔

تو کیا یہ مجوزہ ٹیکنوکریٹ کمیٹی اس وقت کام کر سکتی ہے جب اسرائیلی فوجی آپریشنز جاری ہیں؟ آپ کا کیا اندازہ ہے؟

ڈاکٹر خالد قدومی: یہ فلسطینی نیشنل کمیٹی کسی پارٹی کی تجویز نہیں ہے، یہ کسی سیاسی قوت کی تجویز نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی تجویز ہے جسے مانا گیا ہے، یہ مصری بھائیوں اور ثالثوں کی تجویز ہے جس کی ہر ایک نے تعریف کی ہے، خود صدر ٹرمپ نے اس کی تعریف کی ہے، اور امن بورڈ کے سربراہ ملاڈینوف نے اس کی تائید کی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے، ہمیشہ کی طرح، اسرائیلی رویے کے ساتھ ہمارا برسوں کا یہی تجربہ رہا ہے۔ اسی وجہ سے 7 اکتوبر کا واقعہ پیش آیا، کیوں کہ تمام سیاسی، سفارتی اور طویل مذاکراتی معاہدوں پر عمل درآمد کی ضمانت دینے اور ہمارے لوگوں کے جائز حقوق کی واپسی کو یقینی بنانے میں ناکام رہے تھے۔ خیر، اچھے کی امید رکھتے ہیں۔

ہمارے لیے، ہم نے کھلے دل سے اس کمیٹی کا خیر مقدم کیا ہے، ہم نے اس کمیٹی کی تائید کی ہے، بل کہ ہم نے وہاں ناموں کو نامزد کرنے میں بھی عملی طور پر حصہ لیا، بشرطیکہ یہ ایک فلسطینی اتفاقِ رائے ہو، یہ صرف حماس نہ ہو، بل کہ دوسرے فلسطینی دھڑے بھی ہوں جنہوں نے اس کمیٹی کا خیر مقدم کیا ہے۔ چناں چہ میں بار بار یہی کہہ رہا ہوں کہ آگے بڑھیں اور گلی میں موجود اس عام آدمی کی بہتری کے لیے کام کریں جس کے پاس جینے کے لیے پانی کا ایک قطرہ تک نہیں ہے۔

غزہ پر خوف کیوں طاری ہے؟ عام آدمی کس بات سے خوف زدہ ہے؟

آج خاندان صرف نسل کشی اور جنگ سے ہی خوفزدہ نہیں ہیں۔ آپ تصور کر سکتے ہیں کہ لوگوں کی کیا صورت حال ہے، ایک ماں صبح کے وقت خیمے کے اندر بیدار ہوتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کے ایک ماہ کے نوزائیدہ بچے کے گال کو چوہے نے کاٹ لیا ہے۔ ہمارے پاس کیڑے مار ادویات نہیں ہیں، ہمارے پاس بنیادی ضرورت کی اشیاء نہیں ہیں۔ تو یہ اسرائیلی افواج کی طرف سے کیے جانے والے ان جرائم کی حکمرانی ہے، جہاں ایک باوقار زندگی گزارنے کے لیے کم از کم ضروریات بھی میسر نہیں ہیں۔ ہمیں سیاسی دھڑے بندیوں، حماس اور دیگر سیاسی جماعتوں سے بالاتر ہو کر سوچنا ہوگا۔

ان عام لوگوں کو جینے کی اجازت دیں جو 365 مربع کلومیٹر کی ایک انتہائی گنجان پٹی میں رہ رہے ہیں، جسے آج کئی زونز میں تقسیم کر دیا گیا ہے جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔ آج 2.2 ملین سے زیادہ فلسطینی غزہ کے کل رقبے کے 30 فیصد سے بھی کم حصے میں رہ رہے ہیں تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہم کتنی تباہ کن زندگی گزار رہے ہیں۔

اسرائیل کے وزیر دفاع اسرائیل کاتز نے غزہ میں ہونے والی تباہی کو ایک ''اچھا احساس'' قرار دیا ہے۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے ریمارکس غزہ کے بارے میں اسرائیلی حکومت کی سرکاری پالیسی کی عکاسی کرتے ہیں؟

ڈاکٹر خالد قدومی: جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا، آج جو سب سے بڑا مسئلہ ہم فلسطینی بھگت رہے ہیں، وہ اسرائیل کی قیادت کی قسم ہے۔ متعصب، انتہا پسند اور تالمود کے نام نہاد مقدس متن کی ایک فرسودہ تشریح کے سحر میں مبتلا۔ ان کے نزدیک اس دنیا میں ہمارے جیسے تمام لوگ 'گوئیم' ہیں۔ وہ انسان ہیں اور ہم کچھ اور ہیں، جانوروں کی طرح، اور ہم اسی لائق ہیں کہ ہمیں کچل دیا جائے، ہمیں مار دیا جائے، ہمیں جلا دیا جائے۔

جنگ بندی کے بعد سے، اسرائیلی وزیر دفاع جسے اس بات پر بڑا فخر ہے کہ وہ ہمارے بچوں کو مار رہا ہے، جنگ بندی کے بعد سے ہمارے سینکڑوں بچوں کو بے دردی سے ذبح کیا جا چکا ہے۔ پچھلے دو تین دنوں کے ڈیٹا کے مطابق 1,015 سے زیادہ شہداء ہو چکے ہیں، انہیں ان کے خیموں اور پناہ گزین کیمپوں میں بے دردی سے قتل کیا گیا ہے۔ انہوں نے پچھلے ایک یا دو سالوں میں تین چار بار اپنے خیمے بدلے ہیں۔ وہ سیکیورٹی کی تلاش میں اپنے علاقوں سے شمال سے جنوب، جنوب سے مشرق اور مشرق سے سمندر کے کنارے تک ہجرت کر چکے ہیں۔

کیا آپ اس کی تائید کریں گے کہ فلسطینی اپنی فطرت میں تشدد پسند ہیں؟

وہ اچھے لوگ ہیں جو اپنی زندگی گزارتے تھے، محاصرے میں ہی سہی، لیکن وہ غیرت مند لوگ ہیں۔ انہیں یہ حق نہیں دیا جا رہا۔ اسرائیل میں آج کی قیادت صدر ٹرمپ کے امن منصوبے پر عمل کرنے میں بھی دلچسپی نہیں رکھتی۔ وہ اپنے انتخابات میں ہمارے خون کو کیش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ آگے آنا چاہتے ہیں۔ آپ نیتن یاہو کی مقبولیت کو دیکھیں کہ وہ کتنی گر چکی ہے، لیکن پھر بھی اسرائیل میں آج ایک انتہا پسند، دائیں بازو کا معاشرہ موجود ہے جو اسی کو ووٹ دے گا جو زیادہ فلسطینیوں کو مارے گا۔ یہ وہ مشکل صورتحال ہے جس کا ہمیں یہاں سامنا ہے۔ آپ کا تز کی بات کر رہے ہیں کہ وہ کتنا 'اچھا محسوس' کر رہا ہے کہ اس نے ہمارے لوگوں کو تباہ کر دیا اور اسے اس بات پر افسوس ہے کہ اس نے کچھ بچوں کو زندہ چھوڑ دیا جو آج تک نہیں مارے گئے۔ جی ہاں، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہم اسرائیل میں ایسی قیادت کو بھگت رہے ہیں جو یہ سمجھنے کے قابل ہی نہیں ہے کہ امن کا مطلب کیا ہے اور اس امن کی قیمت کیسے ادا کی جاتی ہے۔

کیا آپ کے خیال میں غزہ اور فلسطینی علاقوں کے حوالے سے اسرائیلی پالیسی میں کوئی تبدیلی آئی ہے اور کیا غزہ امن معاہدہ کسی اگلے مرحلے کی طرف بڑھا ہے؟

ڈاکٹر خالد قدومی: بدقسمتی سے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہم اسرائیل کی جانب سے مزید ہٹ دھرمی، تکبر اور ایک سرکش ریاست کا رویہ دیکھ رہے ہیں۔ اور ایسا کیوں ہے؟ صرف اس لیے کہ امریکی انتظامیہ نیتن یاہو حکومت پر اس معاہدے کی پاسداری کے لیے کافی دباؤ نہیں ڈال رہی جس پر انہوں نے خود دستخط کیے تھے۔ یہ ایک ایسا معاہدہ ہے جو صدر ٹرمپ کی طرف سے پیش کیا گیا تھا اور آج بدقسمتی سے، ہم کہیں بھی نہیں پہنچ سکے۔ ہمارا انجام مزید ہلاکتوں اور ایک بھیانک شیطانی چکر کی صورت میں ہوا ہے اور اسرائیل کو اب بھی امریکی انتظامیہ کی مکمل آشیرباد حاصل ہے۔

میرا کہنا ہے کہ آج بین الاقوامی برادری اور ثالثوں نے تمام حقائق کو دیکھ لیا ہے، انہوں نے زمین کے تمام اصل حقائق کو جان لیا ہے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اسرائیلی حکومت پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اس منصوبے کی پاسداری کرے۔ غزہ کی پٹی کو خالی کرے، سرحدیں کھولے اور فلسطینیوں کو اپنے معاملات اپنے طریقے سے چلانے کی اجازت دے۔ یہ کام ایک ٹیکنوکریٹ حکومت کے ذریعے ہونا چاہیے جو تعمیرِ نو کی ذمہ دار ہو اور پھر انتخابات کی طرف بڑھے۔ اور ہم اس چیز کی طرف جائیں گے جسے جمہوریت کہتے ہیں، جو اس دنیا کے ہر پرامن ملک کا حق اور انتخاب ہے۔

فلسطینی قوم کو آج اسرائیل ریاست بننے کا حق نہیں دیتا۔ پھر کیا یہی جنگ و جدل جاری رہیں گے؟

ہم دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا کی واحد قوم ہیں جسے یہ حق نہیں دیا گیا، جسے کبھی بھی یہ انتخاب کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ ہم وہ واحد قوم ہیں جو بیسویں صدی کی شروعات سے اپنے ایک خودمختار ملک میں رہ رہے تھے جسے فلسطین کہا جاتا ہے، لیکن ہمیں آج اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے اور حقِ خودارادیت کے لیے اپنا انتخاب کرنے کی اجازت نہیں دی جا رہی۔ بدقسمتی سے، یہ اس اسرائیلی قیادت کا مائنڈ سیٹ ہے جس کا ہمیں وہاں سامنا ہے۔

کیا اب بھی غذائی قلت ایک بڑے پیمانے پر تشویش کا باعث ہے جب کہ اسرائیل غزہ میں انتہائی محدود امداد کی اجازت دے رہا ہے اور انسانی حقوق کی تنظیمیں صورتحال کی نگرانی کیسے کر رہی ہیں؟

ڈاکٹر خالد قدومی: جی ہاں۔ دیکھیں، غزہ میں زمین پر کام کرنے والی مختلف انسانی ہمدردی کی تنظیموں کے فراہم کردہ ڈیٹا کے مطابق، وہ روزانہ یہ بتا رہے ہیں کہ لوگ اور خاص طور پر بچے، نوزائیدہ اور شیرخوار بچے اس لیے مر رہے ہیں کیوں کہ ان کے پاس خوراک کا مکمل فارمولا دستیاب نہیں ہے۔ چناں چہ غذائی قلت میں شدید اضافہ ہو چکا ہے۔ ہمارے پاس آئی سی یو میں ایسے سینکڑوں بچے ہیں جو مر رہے ہیں یا دم توڑ رہے ہیں۔ ان کے پاس آکسیجن کا مناسب انتظام نہیں ہے، انہیں ہسپتالوں کے اندر ضروری طبی سہولیات میسر نہیں ہیں۔ انکوبیٹرز کام نہیں کر رہے، بجلی وہاں موجود نہیں ہے۔ ہر جگہ آلودگی پھیل چکی ہے کیوں کہ اسرائیلی افواج کی طرف سے وہاں ایسے کیمیکل پھینکے جا رہے ہیں جو بین الاقوامی طور پر ممنوعہ ہتھیاروں کا حصہ ہیں۔

ہمیں وہاں کینسر کے بہت سے کیسز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے کیوں کہ پانی آلودہ ہے، مٹی آلودہ ہے اور ہوا آلودہ ہو چکی ہے، یہ سب فلسطینیوں کے خلاف استعمال کیے جانے والے اسرائیلی ہتھیاروں کی وجہ سے ہے۔ جب ہم خوراک اور دیگر اشیاء کے ان 700 ٹرکوں کی بات کرتے ہیں جس پر اتفاق ہوا تھا تو آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ صرف چند درجن ٹرکوں کو آنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ روزانہ کل 50 ٹرک آ رہے ہیں۔ ان میں سے 20 مفت اور امدادی ہیں، جب کہ 30 تجارتی ہیں اور باقی 700 ٹرک غائب ہیں، جو کہ محاصرے کے باوجود ہمارے لوگوں کی کم از کم ضرورت سے بھی بہت کم ہے، جب کہ ہمیں روزانہ 1,500 سے زائد ٹرکوں کی ضرورت ہے۔ تو اس طرح غزہ میں ہمارے لوگ محاصرے میں، جنگ کے سائے میں اور ایک ایسے بحران میں زندگی گزار رہے ہیں جو انسان کا پیدا کردہ ہے، جو اسرائیل میں بیٹھے مجرم ذہن کے انسانوں نے ہمارے ان لوگوں کے خلاف پیدا کیا ہے جو صرف اپنے جائز حق کی تلاش میں ہیں اور دنیا کی کسی بھی دوسری پرامن قوم کی طرح امن سے جینا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر خالد قدومی کا یہ پورا انٹرویو غزہ کے انتظامی تعطل اور وہاں کے پسماندہ عوام کی تکالیف کی ایک مفصل اور تلخ تصویر پیش کرتا ہے۔ ان کی گفتگو سے واضح ہوتا ہے کہ سیاسی مصلحتیں اور بین الاقوامی برادری کی جانب سے دباؤ کی کمی اس شدید انسانی المیے کو طول دے رہی ہے۔ ایسے میں سیاسی دھڑے بندیوں سے ہٹ کر خالصتاً انسانی بنیادوں پر امداد کی فراہمی اور حقِ خودارادیت کا احترام ہی اس دیرینہ بحران کا واحد حل ہوسکتا ہے۔

خصوصی رپورٹ: طارق رحمان

ایران نے دنیا کو کیا پیغام دیا؟

ایک جنازہ۔۔۔اور کئی اشارے جنہیں نظر انداز کرنا آسان نہیں!

تہران کی سڑکوں پر اٹھنے والا یہ جنازہ محض ایک قائد کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی روایتی تقریب نہیں تھی، بلکہ یہ علامات، استعاروں اور گہرے سفارتی اشاروں سے لکھی گئی ایک ایسی نئی کتاب تھی جس کا ہر صفحہ مستقبل کی تاریخ کا پتا دے رہا تھا۔ سیاست اور سفارت کاری کی بساط پر بعض اوقات خاموش نشانیاں ان الفاظ سے زیادہ طاقتور ہوتی ہیں جو پریس ریلیز یا تقریروں میں جاری کیے جاتے ہیں۔ عالمی میڈیا بالخصوص الجزیرہ کی ایک گہری تجزیاتی رپورٹ کے مطابق، ایرانی سپریم لیڈر کے جنازے کے دوران ہر وہ چیز جو بظاہر عام دکھائی دے رہی تھی، چاہے وہ کسی نعرے کی گونج ہو، رنگوں کا انتخاب ہو، یا وفود کی آمد پر تلاوتِ قرآن بی اصل میں ایک وسیع تر تزویراتی (Strategic) اور نظریاتی حکمتِ عملی کا حصہ تھی۔ یہ اتفاقات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک سوچی سمجھی بساط تھی جس کے ذریعے دنیا، اور بالخصوص مشرقِ وسطیٰ کو، آنے والے کئی عشروں کی نئی علاقائی سیاست کا بیانیہ تھمایا جا رہا تھا۔ آیئے ان چھ بنیادی اشاروں اور علامات کا گہرائی سے جائزہ لیتے ہیں جنھوں نے نہ صرف عالمی ماہرین کو چونکا دیا بلکہ مشرقِ وسطیٰ کی نئی بساط کا اعلان بھی کر دیا:

’’یہ صرف ایک جنازہ نہیں تھا...‘‘

پہلے نعرہ سامنے آیا... پھر قرآنی آیات کا انتخاب۔۔۔ پھر سرخ پرچم... پھر بند مٹھی... پھر جنازے کا راستہ...

کیا یہ سب اتفاق تھا، یا دنیا کو ایک سوچا سمجھا پیغام دیا جا رہا تھا؟

الجزیرہ کی ایک تجزیاتی رپورٹ میں آیت اللہ علی خامنہ ای کے جنازے کے دوران استعمال ہونے والی علامتوں اور ان کے ممکنہ مفہوم پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید ہم صرف ایک جنازہ نہیں، بلکہ آئندہ کئی عشروں کی علاقائی سیاست کا ایک بیانیہ بنتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

پہلا اشارہ: ’’ہمیں اٹھنا ہوگا‘‘ کا نعرہ "قُوموا للہ"

یہ جنازے کا مرکزی پیغام تھا جس کا عربی ترجمہ "قُوموا للہ" ہے، جسے مذہبی جذبے اور اجتماعی بیداری کے پیغام کے طور پر پیش کیا گیا۔

دوسرا اشارہ: ’’بند مٹھی‘‘

سرخ اور سیاہ رنگوں میں آیت اللہ خامنہ ای کی بھنچی ہوئی مٹھی کو نمایاں علامت بنایا گیا۔ اسے استقامت، مزاحمت اور قربانی کی علامت کے طور پر استعمال کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ضعیف العمر خامنائی کی صحت ان کے مفلوج سیدھے ہاتھ کی بند مٹھی میں تھی ۔ یعنی مزاحمت نے انہیں کھڑا کر رکھا تھا۔

تیسرا اشارہ: ’’سرخ پرچم‘‘

گرینڈ مصلیٰ میں ’’یالثارات الحسین‘‘ لکھا سرخ پرچم لہرایا گیا، جس کا مطلب ہے ’’اے حسینؓ کے خون کا بدلہ لینے والو‘‘ یہ ایک تاریخی اور مذہبی علامت ہے جس کے ذریعے ایک وسیع تر سیاسی پیغام قرار دے رہے ہیں۔

چوتھا اشارہ: ’’جنازے کا راستہ‘‘
جنازے کا راستہ قم، نجف، کربلا اور مشہد جیسے اہم مذہبی مراکز پر مشتمل ہے جو ایک مکمل ایک علامتی اور نظریاتی ترتیب کا حصہ ہے۔

پانچواں اشارہ: ’’اتحادیوں کی موجودگی‘‘
تقریب میں ایران کے علاقائی اتحادی گروہوں کے نمائندوں حزب اللہ، حماس، یمن کے حوثی، فلسطینی اسلامی جہاد کی شرکت نے بھی سب کی توجہ حاصل کر لی ہے اور ایک خاص پیغام کا ابلاغ کیا ہے

چھٹا اشارہ: ’’ہر شریک ممالک کے لیے قرآنی آیات کے ذریعہ ایک پیغام‘‘
جانز ہاپکنز یونیورسٹی کے سکول آف ایڈوانسڈ انٹرنیشنل سٹڈیز میں بین الاقوامی امور اور مشرقِ وسطیٰ کے پروفیسر ولی نصر نے دعویٰ کیا کہ

’’یہ جنگ اس سے کہیں زیادہ اہم اور بڑی ہے جتنا ہم اب تک اسے سمجھتے رہے ہیں۔‘‘
ان کے مطابق ’’اس نوعیت کی بڑی جنگیں بالآخر شطرنج کی بساط کی ترتیب بدل دیتی ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ میں بھی یہی ہونے والا ہے۔‘‘

ان تمام گہرے اشاروں، سرخ پرچم کی علامتی تڑپ، بند مٹھی کی استقامت، اور جغرافیائی طور پر اہم ترین مذہبی راستوں کے انتخاب سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ جنازہ دراصل ایک عہد کا خاتمہ نہیں بلکہ ایک نئے، جارحانہ اور پرعزم عہد کا نقطہ آغاز تھا۔ ممتاز دانشور پروفیسر ولی نصر کا یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ یہ جنگ شطرنج کی بساط کو پلٹنے جا رہی ہے۔ تہران نے اپنی روایتی " قرآنی اور علامتی سفارت کاری" کے ذریعے دوست اور دشمن دونوں پر یہ واضح کر دیا ہے کہ مزاحمت کا یہ بلاک اب پہلے سے کہیں زیادہ متحد، منظم اور کسی بھی بڑے معرکے کے لیے تیار ہے۔ علامات کی یہ زبان اس بات کی غماز ہے کہ آنے والا وقت مشرقِ وسطیٰ کے نقشے اور طاقت کے توازن کو یکسر بدل کر رکھ دے گا۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے شاید ایسے ہی نازک اور بظاہر خاموش مگر طوفانی لمحات کے لیے کہا تھا کہ:

مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

اب عالمی برادری کو روایتی عینک اتار کر ان علامات کی گہرائی کو سمجھنا ہوگا، کیونکہ یہ جنازہ گزر چکا ہے، مگر جو بیانیہ اور طوفان یہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے، اس کی گونج اب آنے والے کئی زمانوں تک خطے کی سیاست کا رخ متعین کرتی رہے گی۔

تہران میں تعزیتی تقاریب اور ’’قرآنی سفارت کاری‘‘

وہ پوشیدہ سیاسی پیغامات جن پر عالمی میڈیا کی نظر نہ پڑ سکی!

سفارت کاری کی دنیا میں پیغام رسانی کے لیے صرف الفاظ، بیانات یا باضابطہ معاہدے ہی کافی نہیں ہوتے، بلکہ بعض اوقات علامات، اشارے اور مذہبی روایات کو بھی گہرے سیاسی پیغامات پہنچانے کے لیے انتہائی مہارت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ حال ہی میں جب تہران میں سرکاری سطح پر تعزیتی تقاریب منعقد ہوئیں اور دنیا بھر سے سیاسی و حکومتی وفود کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا، تو ایک ایسا منفرد اور معنی خیز منظر نامہ دیکھنے کو ملا جس پر عالمی میڈیا کی روایتی نظریں نہ پڑ سکیں۔ پروٹوکول اور ضابطوں سے ہٹ کر، تہران کی جانب سے ایک منفرد " قرآنی سفارت کاری" کا مظاہرہ کیا گیا۔ جب مختلف ممالک کے وفود تعزیت اور احترام پیش کرنے کے لیے ہال میں داخل ہو رہے تھے، تو پسِ منظر میں قرآنِ کریم کی مخصوص آیات کی تلاوت کی جا رہی تھی۔ یہ انتخاب اتفاقی نہیں تھا، بلکہ ہر ملک کی خارجہ پالیسی، اس کی موجودہ سیاسی حیثیت اور ایران کے ساتھ اس کے سٹریٹجک تعلقات کو مدنظر رکھ کر انتہائی سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ کس وفد کے استقبال کے لیے کلامِ الٰہی کی کن آیات کا انتخاب کیا گیا اور ان کے پیچھے کیا گہرے سیاسی پیغامات پوشیدہ تھے:

سابق ایرانی رہنما علی خامنہ ای کے جنازے کے موقع ایک اہم بات جس کے متعلق عام میڈیا آپ کو نہیں بتائے گا۔
مختلف ممالک کے وفود کی آمد کے دوران قرآنِ کریم کی مختلف آیات کی تلاوت کی گئی تاکہ روایت کے مطابق ایک واضح سیاسی پیغام دیا جا سکے۔ متن کے مطابق، ہر وفد کے لیے ایسی آیات منتخب کی گئی تھیں جو ان کے سیاسی مؤقف کی نمائندگی کرتی تھیں۔

سعودی عرب کے وفد کے سامنے:

﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ﴾

’’بے شک تمہارے لیے ان دو جماعتوں میں ایک بڑی نشانی تھی جو آپس میں آمنے سامنے ہوئیں۔ ایک جماعت اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسری کافر تھی۔ کافر اپنی آنکھوں سے اہلِ ایمان کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے، اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی مدد سے قوت بخشتا ہے۔ یقیناً اس میں اہلِ بصیرت کے لیے بڑی عبرت ہے۔‘‘ (آل عمران:13)

افغانستان کے وفد کے سامنے سورۂ فتح کی ابتدائی آیات تلاوت کی گئیں:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ○ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ○ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا﴾

’’بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلی فتح عطا کی، تاکہ اللہ آپ کی اگلی اور پچھلی (لغزشوں) کو معاف فرمائے، اپنی نعمت آپ پر مکمل کرے، آپ کو سیدھی راہ دکھائے، اور اللہ آپ کی زبردست مدد فرمائے۔‘‘ (سورۂ الفتح:1-3)

حماس کے وفد کے سامنے:

﴿كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾

’’کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ایسی ہوئی ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آ گئیں، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔‘‘ (البقرۃ:249)

ترکی کے وفد کے سامنے:

﴿فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً﴾

’’اللہ نے ان مجاہدین کو، جو اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں، بیٹھ رہنے والوں پر ایک درجہ فضیلت عطا فرمائی ہے۔‘‘ (النساء:95)

قطر کے وفد کے سامنے:

﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا﴾

’’تاکہ اللہ آپ کی اگلی اور پچھلی خطاؤں کو معاف فرمائے، اپنی نعمت آپ پر مکمل کرے، اور آپ کو سیدھا راستہ دکھائے۔‘‘ (سورۂ الفتح:2)

پاکستان کے وفد کے سامنے:

پاکستانی وفد کی حاضری کے موقع پر سورہ الاسراء (آیت 80) کی تلاوت کی گئی۔

:﴿وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا﴾

’’اور دعا مانگ: اے میرے رب! مجھے (جہاں بھی) داخل کر، سچائی کے ساتھ داخل کر، اور (جہاں سے بھی) نکال، سچائی کے ساتھ نکال، اور مجھے اپنی طرف سے ایسا غلبہ عطا کر جو (میری) مدد کرے۔)

اس کے علاوہ پاکستانی وفد کے سامنے سورہ الانفال (آیت 45) کی تلاوت بھی کی گئی جس کا مفہوم استقامت اور ثابت قدمی سے متعلق ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

’’اے ایمان والو! جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو تاکہ تم فلاح پا سکو۔

صنعاء کی حکومت اور عمان کے وفد کے سامنے:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ... وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾

’’محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں نہایت رحم دل ہیں۔ آپ انہیں رکوع اور سجدے میں دیکھیں گے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔ سجدوں کے اثرات ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ ان کی مثال تورات میں بھی بیان ہوئی ہے، اور انجیل میں ان کی مثال ایسی کھیتی کی ہے جو پہلے کونپل نکالتی ہے، پھر اسے مضبوط کرتی ہے، پھر وہ موٹی ہو کر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو جاتی ہے، جس سے کاشت کار خوش ہوتے ہیں، تاکہ ان کے ذریعے کافروں کو غصہ دلائے۔ اللہ نے ان لوگوں سے، جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، مغفرت اور عظیم اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔‘‘ (الفتح:29)

مختلف وفود کی آمد پر قرآنِ کریم کی ان مخصوص آیات کی تلاوت محض ایک مذہبی رسم نہیں تھی، بلکہ یہ ایرانی سفارت کاری کا ایک انتہائی نپا تلا اور علامتی اقدام تھا، جس نے کم الفاظ میں بہت بڑے سیاسی پیغامات واضح کر دیے۔ سعودی عرب کے سامنے جنگِ بدر اور حق و باطل کے معرکے کی آیت پڑھنا ایک خاموش تنبیہ اور عبرت کا پیغام تھا، تو دوسری طرف حماس، افغانستان اور یمن (صنعاء) کے وفود کے لیے فتح، نصرت اور کافروں پر سختی کی آیات تلاوت کر کے ایران نے مزاحمتی بلاک (Axis of Resistance) اور اپنے قریبی اتحادیوں کے مؤقف کی کھل کر تائید کی۔ پاکستان کے لیے استقامت اور سچائی کے ساتھ داخلے و خروج کی دعا ملکی حالات اور دونوں ممالک کے پیچیدہ مگر ناگزیر تعلقات کی عکاسی کرتی ہے۔ مجموعی طور پر، اس منفرد اسلوب نے یہ ثابت کیا کہ تہران اپنے سیاسی پیغامات اور نظریاتی مؤقف کو پیش کرنے کے لیے کلامِ پاک کے الفاظ کو کتنی گہرائی اور مہارت سے استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ ایک ایسی پوشیدہ بساط تھی جسے عام میڈیا کی سطح بین برادریاں سمجھنے سے قاصر رہیں، لیکن سفارتی حلقوں میں اس گونجتی ہوئی قرآنی سفارت کاری کو بڑی شدت سے محسوس کیا گیا۔

دامنِ خیال: ابوالعین

غزہ جنگ بندی کی پامالی

ٹرمپ کی نگرانی میں نسل کشی کے اسرائیلی اقدامات

اس سال جولائی کے پہلے ہفتہ میں جنگ بندی غزہ میں 1000 دنوں سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ یہ جنگ بندی امریکی صدر ٹرمپ کے 20 نکاتی امن پلان کے تحت 10 اکتوبر 2025ء کو نافذ ہوئی تھی۔ خیال کیا جارہا تھا کہ اب غزہ میں نسل کشی بند ہوجائے گی۔ ایسا نہیں ہوسکا۔ غزہ میں حکومت کے میڈیا آفس نے بتایا کہ غزہ کی پٹی نوے فیصد تک تباہ کردی گئی تھی۔

غزہ میں صحت کے حکام نے بتایا کہ 6 جولائی 2026ء تک اسرائیل کی طرف سے نسل کشی سے مزید 1032 فلسطینی شہید کیے جاچکے تھے۔ نسل کشی روکی نہیں گئی۔ یہ اعداد و شمار بہت محتاط طریقے سے جمع کیے گئے۔ اکتوبر 2023ء سے اب تک شہداء کی تعداد 73,098 ہوگئی تھی۔

یہ قتل و غارت گری کبھی بھی نہیں روکی گئی۔ یکم جولائی کو اسرائیل نے ڈرون حملے میں مزید تین فلسطینی شہید کردیے۔ یہ واقعہ Hitu سٹیشن پر پیش آیا۔ یہ سلسلہ رکا نہیں، اگلے 48 گھنٹوں میں کم از کم مزید سات فلسطینی شہید کردیے گئے۔ ان میں ایک بچہ بھی تھا جس پر کواڈ کاپٹر سے فائرنگ کی گئی۔ شجاعیہ کے جنکشن پر بم سے حملہ کیا گیا۔ اس سے دس سالہ طارق صباح شہید کردیا گیا۔ طارق کو خان یونس کے قریب شہید کیا گیا۔ اس کا ذکر مقامی فیلڈ رپورٹس میں بھی ہے۔ ٹینٹ کالونی میں رہنے والوں پر بمباری کی گئی۔ یہاں گھروں سے بے دخل کیے گئے خاندان رہ رہے تھے۔ یہ ٹینٹ کالونی المساوی جنکشن کے قریب بنائی گئی تھی۔

غزہ میں بیمار اور زخمی بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ یہ سب اب تک نہایت ضروری میڈیکل نگرانی، ادویات اور آلات سے محروم ہیں۔ یہ غزہ سٹی سے باہر الشفاء ہسپتال میں موجود ہیں۔ انہوں نے اس صورت حال پر ہسپتال کے قریب احتجاجی مظاہرہ بھی کیا۔ وہ اسرائیلی حکام سے سپلائی روکے جانے کے اقدام کو غیر انسانی قرار دے رہے تھے۔ وہ یہ مطالبہ بھی کررہے تھے کہ ایسے فلسطینی مخدوش اور بیماروں کو غزہ سے باہر جانے دیا جائے تاکہ سخت نازک افراد کو باہر لے جایا جاسکے۔ اس کے لیے وہ رفاہ کراسنگ کھولنے کا مطالبہ کررہے تھے۔ اس وقت اس نوعیت کے فلسطینیوں کی تعداد 20 ہزار سے بھی زیادہ ہے۔

غزہ کے کمال عدوان ہسپتال ڈاکٹر حسام ابوصفیہ کے بیٹے الیاس ابوصفیہ نے کہا ہے کہ ان کے والد کی صحت دن بدن خراب تر ہوتی جارہی ہے۔ ڈاکٹر حسام کو قید میں اب 600 دن ہونے والے ہیں۔

الیاس ابوصفیہ نے بتایا کہ ان کے والد کے وکیل جیل میں ان سے ملاقات کے بعد واپس آئے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ ڈاکٹر حسام کو سانس لینے میں بھی سخت دشواری پیش آرہی تھی۔ وہ بات بھی بمشکل کررہے تھے۔ ان کے چہرے کی ہیئت بدل چکی تھی اور ان پر شدید ٹارچر کے نشانات بہت واضح تھے۔ وہ شدید تکلیف میں تھے اور بار بار خون ان کے منہ سے جاری ہوجاتا جسے وہ کئی بار خود ہی پی جاتے تھے۔ آخری کورٹ سیشن ان کو یروشلم میں بند کردیا گیا۔ الیاس ابوصفیہ نے بتایا کہ ان کی صحت بہت بگڑ چکی ہے۔

اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ برائے غیر قانونی نظر بندی نے ڈاکٹر حسام ابوصفیہ کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔ گروپ نے ان کی مسلسل نظر بندی کو انسانی حقوق کے عالمی کمیشن کی خلاف ورزی قرار دیا ہے اور اسے سول و سیاسی حقوق کے کنونشن کی کھلی پامالی قرار دیا ہے۔

غزہ میں اگلا مرحلہ:

اس دوران میں غزہ کی گورننگ اتھارٹی تبدیل کرنے کا مرحلہ شروع ہوگیا ہے۔ نیپا میں قبرص رپورٹ کے مطابق امریکی نگرانی میں بورڈ آف پیس کے نمائندوں نے سابق برطانوی وزیراعظم (مسلمانوں کے قاتل) ٹونی بلیئر نے کام شروع کردیا ہے۔ اس کام کی نگرانی امریکی صدر ٹرمپ کررہے ہیں۔ یہ اقتدار کی منتقلی کے لیے بورڈ کے تحت ایک

عارضی تعمیر نو کمیٹی بنا دی گئی ہے۔ٹونی بلیئر امریکی صدر سے ملاقات کر کے آئے ہیں۔ حماس سے آزاد زونز کے قیام کا سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا ہے۔

سوموار کی صبح حماس کے زیر انتظام چلنے والی کمیٹی نے کام شروع کر دیا ہے۔انہوں نے اتھارٹی بورڈ آف پیس کے حوالے کر دی ہے۔جس نے ٹیکنو کریٹ کمیٹی بنا دی ہے۔ انہوں نے یہ کام امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے منصوبے کے تحت کیا ہے۔

اس کمیٹی کی سربراہی علی شاتھ کو دی گئی ہے۔وہ غزہ کی انتظامیہ کے سربراہ ہوں گے۔علی نے کہا ہے کہ ان کی کمیٹی غزہ کا انتظام کرنے کے لیے مکمل طور پر تیار ہے۔اس وقت ضروری صلاحیت اور قابلیت کی حامل شخصیات کی تلاش جاری ہے۔ابتدائی لوازمات کی فہرست تیار کی جا رہی ہے تا کہ ایک گورننگ اتھارٹی قانون چلائے اور فورس کی نگرانی کرے۔سب سے اہم سوال یہ ہے کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون اور کس طرح باندھے گا یعنی حماس کو غیر مسلح کس طرح اور کب تک کیا جا سکے گا۔

اس دوران میں بورڈ آف پیس نے اعلان کیا ہے اور یہ اسی ہفتے کیا گیا ہے کہ اقوام متحدہ کی ''ایجنسی برائے فلسطینی امور'' یعنی انروا (UNRWA) کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اس بیان کو فلسطینی قیادت نے مسترد کر دیا ہے۔قیادت کا کہنا ہے کہ اس ایجنسی کو ختم کرنے کا مقصد فلسطین کے مسئلے کو ہی ختم کر دینا ہے۔

ضروری ادغام:

اسرائیلی وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو نے قلندریہ ایئر پورٹ کے ٹارمک پر کھڑے یہ اعلان کیا ہے جب وہ مشرقی مقبوضہ بیت المقدس (مسلمانوں کا حصہ) میں نئے اسرائیلی ہیریٹج کا سنگ بنیاد رکھ رہے تھے کہ اسرائیلی وسیع تر atarot یہودی کالونی تعمیر کی جا رہی ہے۔

اس اعلان کے تین دن بعد 3 جولائی کو اسرائیل کی جنگی کابینہ نے اس بات کی منظوری دی ہے کہ وسطی مقبوضہ مغربی کنارے میں 13 نئی یہودی کالونیاں تعمیر کی جائیں گی۔یہ کالونیاں روٹ 60 کے ساتھ ساتھ تعمیر کی جائیں گے اور اسے نیتن یاہو بلاک کا نام دیا جائے گا۔اس بلاک کو وادیٔ اردن تک وسیع کیا جائے گا۔(یروشلم) مقبوضہ بیت المقدس کے گورنریٹ اور سکیم اس طرح سے تیار کی گئی ہے کہ مقبوضہ مشرقی بیت المقدس (مشرقی یروشلم) کو فلسطینی علاقوں کو ختم کر کے بنایا جائے گا۔اس سے بیت المقدس کی علاقائی حدود کو ختم کر کے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کی جائے گی۔اس مجوزہ بلاک چار سے چھ کالونیاں آئندہ چند مہینوں میں تعمیر کر لی جائیں گی۔اس دوران میں یہاں موجود بدو قبائل اور فلسطینی بے دخل کر دیے جائیں گے۔ضرورت پڑنے پر ان کے خلاف تشدد کا استعمال بھی کیا جائے گا۔

اسرائیلی مطالعہ جات کے مطابق یہ کام کیا جا رہا ہے۔اس دوران میں فلسطینی فورم فار اسرائیلی سٹڈیز نے دکھایا کہ اب تک اوسطاً آٹھ آؤٹ پوسٹ بنائی گئی ہیں۔یہ سلسلہ 2012ء سے 2022ء کے درمیانی عرصہ میں کیا گیا تھا۔نئی آؤٹ پوسٹس کی تعداد صرف 2023ء میں 32 اور 2024ء میں 62 اور مزید تیزی سے 2025ء میں 85 آؤٹ پوسٹس بنا دی گئی ہیں۔آؤٹ پوسٹ بنانا غیر قانونی اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کی نفی ہے لیکن پورا ہفتہ کام جاری رکھا گیا ہے۔Wafa نیوز کے مطابق آباد کار یہودیوں (نو آبادیاتی صیہونیوں) نے کفر رائے گاؤں کی زمین پر جنین میں دو تان یہودی کالونی (بستی) کے بالکل قریب البیدار انسانی حقوق گروہ کے مطابق صرف 50 میٹرز کے فاصلے پر آؤٹ پوسٹ راتوں رات تعمیر کر لی ہیں۔یہ کام 6 جولائی کو کیا گیا۔رائے کا فاصلہ مزید کم رہ گی ہے اس کے لیے معاذی بدو بستی جا سے عربوں اور فلسطینیوں کو ہٹا دیا گیا ہے۔ یہ (یروشلم) مقبوضہ بیت المقدس کا شمال مشرق بنتا ہے۔

اسرائیل مغربی کنارے پر اپنے کنٹرول کو مضبوط کرتا جا رہا ہے۔زمینوں پر قبضے بھی کر رہا ہے،فلسطینیوں کو بے گھر اور بے دخل کر رہا ہے۔اسرائیلی حکومت نے ایک منصوبے کے لیے 2 کروڑ 70 لاکھ شیکل یعنی 90 لاکھ ڈالر کی منظوری دی ہے۔اس کا مطلب مقامی ہوٹل انڈسٹری کو مضبوط کیا ہے۔الخلیل میں سیاحت اور آباد کاروں کے ڈائریکٹوریٹ کے ڈائریکٹر جابر الرجب نے Wafa نیوز کو بتایا ہے کہ اسرائیلی حکام 142 آثار قدیمہ مقامات کا کنٹرول بھی اپنے اختیار میں ٹرانسفر کر رہا ہے جس سے مسلمانوں کے ان آثار کو خطرہ ہے۔ان میں ابراہیمی مسجد کے اندر بھی بظاہر کام کیا گیا ہے۔اصل مقصد نئی یہودیوں کی کالونیاں تعمیر کرنا ہے۔وزیر خزانہ بزازیل سموٹریش نئی نوکر شاہانہ تبدیلیوں کو سراہا ہے۔اور کہا ہے کہ ان سے ''یہودی کالونیوں کا انقلاب'' آ جائے گا۔

فلسطینیوں کو محدود کرنے کا ہتھیار:

جولائی میں چار ماہ کے احمد ماروت زید دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔اسرائیل کے فوجیوں نے ان کے اہل خانہ کو بالکل محدود کر دیا تھا۔اس لیے احمد کے والدین ایمبولینس حاصل نہیں کر سکے۔اس کے لیے انہوں نے فوجی گیٹ کے پار کافی آگے تک جانا تھا۔یہ دیر عمار پناہ گزین کیمپ رام اللہ کے مغرب میں واقع تھا۔رام اللہ میں گورنر کیلیے گھنام نے کہا کہ بچہ، جو پیدا ہوا تھا، وہ اس وقت فوت ہو گیا جب اسرائیلی فوجیوں نے اسے ہسپتال لے جانے سے منت سماجت کے باوجود روک دیا۔یہ کوشش ایک گھنٹہ جاری رہی۔بچے کی طبیعت مسلسل بگڑ رہی تھی۔اسے میڈیکل سے وابستہ افراد نے اسرائیلی فوج کے لیے سیاہ دھبہ قرار دیا جس نے انسانیت کو بھی شرمسار کر دیا۔

مغربی کنارے میں نقل و حرکت کرنے،اپنے ہی علاقے کے اندر آنے اور جانے کے لیے جگہ جگہ قائم کیے گئے چیک پوائنٹس اور گیٹوں سے گزرنا پڑتا ہے۔Wafa کی ایک رپورٹ کے مطابق سنجیت رام اللہ میں فوجیوں نے پورے گاؤں کا محاصرہ کر لیا۔یہ رام اللہ کے شمال کا علاقہ ہے۔Wafa کے مطابق فوج نے گاؤں مکمل سیل کر دیا۔اس سے پہلے 6 مین گیٹ اور 16 مزید گیٹ ہیں۔فوج نے یہاں کی 4,65,000 میٹرز مین کو سرکاری زمین قرار دے دیا۔عطارد اور نبی صالح چیک پوسٹیں فلسطینیوں کے لیے بند کر دی گئیں۔رام اللہ کے ارد گرد داخلے کے راستے پر رکاوٹ کھڑی کر دی گئی۔

اسرائیلی فوج نے آباد کار یہودیوں کی جانب سے فلسطینیوں پر تشدد کو خود منظم کیا۔رات گئے سیاسی کارکن جوناتھن پولاک نے اطلاع دی کہ مسلح نقاب پوش آباد کاروں نے حملہ کر دیا ہے۔یہ نابلس کے جنوب میں رونما ہونے والا واقعہ تھا۔فوج نے حملہ آوروں کی راہنمائی کی اور ان کے فلسطینیوں پر ظلم کو روکا نہیں گیا۔آباد کاروں نے 4 جولائی کو ام صفا سے چار مویشی کھول لیے۔یہ واقعہ نابلس کے شمال مغرب میں رونما ہوا۔

اسرائیلی فوج نے ربڑ کی گولیاں فائر کیں جن کی زد میں آ کر تین رہائشی زخمی ہو گئے۔یہ واقعہ مقامی کونسل کے سربراہ مروان صباح نے بتایا۔

فلسطینی گھروں کو بھی ان واقعات کے ساتھ ہی تباہ کیا جا رہا ہے، اسرائیلی فوج نے 60 سال سے قائم سپورٹس فیلڈ کو بلڈوزر چلا کر تباہ کر دیا۔یہ واقعہ دومہ میں ہوا۔اب تک 2500 فلسطینی اور 1000 کی تعداد میں بچے بے گھر کیے جا چکے ہیں۔مغربی کنارے کے 121 علاقوں کو اسی طرح تباہ کیا جا چکا ہے۔

خصوصی رپورٹ: لمیس تغرید

بین الاقوامی کریمنل کورٹ: امریکہ مقابلے پر آگیا

امریکی انتظامیہ نے صدر ٹرمپ کے کہنے پر اس ایک اور مہم کے لیے دباؤ بڑھانے کا اعلان کردیا ہے جس کے ذریعے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ بین الاقوامی کریمنل کورٹ کو بے اثر کرنے کی اپنی پوری کوشش کرے گا۔ اس سے قبل بین الاقوامی سفارت وسیاست میں امریکہ کی ہر مہم اور کوشش ناکام ثابت ہوئی ہے۔ اسے ساری امریکی حکومت کا فوکس پوائنٹ قرار دیا جارہا ہے۔

اس مہم کا آغاز سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے حکام نے واشنگٹن ڈی سی میں ایک خصوصی پریس کانفرنس میں کیا۔ امریکی حکومت پہلے ہی کورٹ حکام پر کئی پابندیاں لگا چکی ہے۔ اس سلسلے کو بیان سیکرٹری آف سٹیٹ مارکو روبیو نے ایک ویڈیو بیان میں کیا۔ صحافیوں کو زیادہ سوالات کرنے کا موقع بھی نہیں دیا گیا۔ اس اقدام کا اعلان وال سٹریٹ جرنل کی ایک نیوز سٹوری میں بھی کیا گیا۔

امریکی حکومت بین الاقوامی عدالت کے ساتھ ساتھ کئی ایک انسانی حقوق آرگنائزیشنز پر بنی کافی پابندیاں لگا چکی ہے۔ اس کا مقصد اس ادارے اور تنظیم کو سزا دینا ہے جو امریکی حکومت اور اس کے اتحادیوں بالخصوص اسرائیل کو سزا دینا ہے۔ فلسطینیوں کو سزا دینے کے لیے امریکہ اور اس کے کچھ اتحادی اس سے قبل اقوام متحدہ کی بین الاقوامی ایجنسی برائے فلسطین کے فنڈز روک چکی ہے لیکن اسے کام سے مکمل طور پر روک نہیں سکی ہے۔

اپنے ویڈیو بیان میں مارکو روبیو نے فوری طور پر سیاسی اور سفارتی تعلقات میں درجۂ حرارت بڑھا دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ عدالت ہمارے ملک کے خلاف جنگ چھیڑ چکی ہے۔ یہ جنگ بلٹ اور میزائل سے نہیں بل کہ اقوام متحدہ کے قوانین، معاہدوں اور نام نہاد بین الاقوامی قانون کے ذریعے چھیڑی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب یہ جنگ ہمارے سیاسی اور قانونی سٹیٹس کو ختم کرنے کی ہے۔ اگر کوئی یہ خیال بھی کرتا ہے کہ وہ ہمیں اس طرح سے ناکام بنا دے گا تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔ کوئی ہمیں ہماری حاکمیت اور خودمختاری سے محروم نہیں کرسکتا۔

مارکو روبیو نے کورٹ کو غیر مؤثر کرنے کے لیے بعض ابتدائی اقدامات کا اعلان بھی کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس عدالت کو قرار واقعی سبق سکھائیں گے اور انہیں امریکی عزم جاننے پر مجبور کردیں گے۔

ابتدائی اقدامات میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ آغاز میں بعض ممالک کو اعتماد میں لیا جائے گا۔ عدالت کی اتھارٹی کو چیلنج کرنے کے لیے اپنے فوجی اتحادیوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں سے بات چیت کی جائے گی۔ انہوں نے بعض اقدامات کا ذکر بھی کیا جو زیر غور ہیں۔ ان میں ایک قدم یہ ہے کہ عدالت کا امریکی اقدامات پر خود سکروٹنی کرکے امریکہ یا اس کے اتحادیوں کو مقدمہ چلانے کے لیے مجرم قرار دینے کا اختیار ختم کردیا جائے۔ اس کا واضح مقصد یہ ہے کہ اسرائیلی جنگ جرائم میں ملوث کرداروں پر وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو سمیت ارکان کو ہیگ ٹربیونل کے روبرو پیش کرنے کا اختیار ختم کردیا جائے گا۔ عدالت کو امریکی فنڈز کی فراہمی بھی روک دی جائے اور اتحادی ممالک بھی عدالت کی سالانہ فنڈنگ روک دیں۔ ان کے علاوہ مزید اقتصادی پابندیاں لگادی جائیں۔

امریکہ روم معاہدے کے تحت عدالت کا رکن نہیں ہے۔ کورٹ کا قیام 2002ء میں ہوا تھا۔ اس لیے عدالت امریکہ کے دائرہ اثر میں ہی نہیں آتی۔ تاہم عدالت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ امریکی شہریوں پر مقدمہ چلاسکتی ہے۔ وہ اپنی تحقیقات کے نتیجے میں مجرم ثابت ہونے والوں کے خلاف ہیگ ٹربیونل میں سماعت کے لیے ریفر کرسکتی ہے۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ عدالت افغانستان میں امریکی جرائم کی تحقیقات کرتی رہی ہے۔ ان میں امریکی خفیہ اداروں اور فوجی حکام کے ملوث قرار پانے کے معاملات پر کام کررہی ہے جو وہ 2020ء سے لے کر اب تک کرتی آئی ہے۔ امریکی جرائم کی تفصیلات بہت طویل ہیں۔ لیکن ابھی تک کسی امریکی شہری پر مقدمات چلانے کی نوبت نہیں آئی۔

ماضی کی متعدد امریکی حکومتوں کا مسلسل یہی مؤقف رہا ہے کہ ان کے کسی شہری کے خلاف اس عدالت میں نہ کوئی معاملہ لے جایا جاسکتا ہے اور نہ ہی تحقیقات کی جاسکتی ہیں۔ اس سلسلے میں عدالت کی صدر ٹوماکو اکین کو خط بھی لکھا جاچکا ہے۔

امریکی صدر ٹرمپ اپنے پہلے دور صدارت کی طرح اب بھی 2020ء سے اب تک کئی بار پابندیاں لگا چکے ہیں۔ (یہ ایک مخصوص امریکی مشغلہ ہے کہ جہاں اس کے اختیار کو چیلنج درپیش ہو وہاں پابندیاں لگا دیتا ہے) ٹرمپ کی پہلے دور کی پابندیاں سابق صدر جو بائیڈن نے ختم کردی تھیں لیکن اس بات پر اصرار کرتے رہے کہ امریکیوں کے خلاف تحقیقات نہیں کی جاسکتیں۔

اگرچہ ٹرمپ انتظامیہ سال سے بھی زیادہ عرصے سے امریکہ یا اس کے اتحادیوں بالخصوص اسرائیل کے خلاف اقدامات کی تحقیقات کررہے ہیں۔ اس کے باوجود بین الاقوامی قانون کے ماہرین کئی بار کہہ چکے ہیں کہ ایسی تحقیقات امریکہ روک نہیں سکتا۔ ان معاملات کی بھی تحقیقات ہونا باقی ہیں جو حالیہ اسرائیل۔ امریکہ کی ایران کے خلاف جارحیت کے دوران میں رونما ہوئے یا ہورہے ہیں۔ اسی طرح سے وینزویلا کے صدر نکولس مادورو کے اغوا اور انہیں امریکہ سمگل کرنے کا واقعہ بھی تحقیقات میں شامل ہے۔

دنیا میں امریکہ کے خلاف یہ رائے مستحکم ہورہی ہے کہ طاقت سے وہ سب کچھ کرنا چاہتا ہے جو درست نہیں ہے۔

تجزیہ: ڈاکٹر سلیم خان

اسرائیلی جارحیت: چہرا روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

طوفان الاقصیٰ کے جواب میں اسرائیلی جارحیت کے ایک ہزار دن مکمل ہونے پر غزہ کے انتظامیہ نے جولرزہ خیز اعداد و شمار پیش کیے ان میں اسرائیل کے ذریعہ انجام دی جانے والی نسل کشی کے بھیانک چہرے کی تصویر صاف نظر آتی ہے۔ اس رپورٹ میں شہریوں اور بنیادی ڈھانچے کو وسیع پیمانے پر تباہی کے علاوہ بھوک اور جبری نقل مکانی کی تفصیل درج ہے۔ ان ہیبت ناک اعداد و شمار کے مطابق غزہ کی پٹی میں 24 لاکھ 40 ہزار سے زائد فلسطینی نسل کشی، بھوک اور نسلی تطہیر سے نبرد آزما ہیں۔ بنیادی ڈھانچے کی بات کی جائے تو پٹی کا 90 فیصد سے زائد حصہ مکمل تباہ ہو چکا ہے۔ اسرائیلی فوج نے چھاپوں، بمباری اور نقل مکانی پر مجبور کر کے 80 فیصد سے زیادہ اراضی پر عسکری قبضہ قائم کرلیا ہے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر شہری آبادی پر 241 بار بمباری کے دوران 2 لاکھ 23 ہزار ٹن سے زائد بارود برسایا گیا۔ یہ تباہ کاری کئی ایٹم بم سے زیادہ شدید ہے۔ اس کے نتیجے میں اسپتالوں کے اندر شہداء کی تعداد 73 ہزار 66 ہوگئی جبکہ 9 ہزار 500 افراد ملبے تلے دبنے یا دیگر وجوہات سے لاپتہ ہیں۔ اس تباہی کا بدترین پہلو یہ ہے کہ متاثرین میں 55 فیصد سے زائد بچے، خواتین اور بزرگ ہیں یعنی شہداء میں 21 ہزار 500 سے زائد بچے اور 12 ہزار 500 خواتین ہیں۔ ان شہداء کا تعلق 39 ہزار سے زائد خاندانوں سے تھا۔ ان میں 2 ہزار 700 خاندان مکمل طور پر مٹا دیئے گئے۔ بھوک اور غذائی قلت کے سبب 460 اور سردی سے 28 لوگ فوت ہو گئے۔ یہ سماجی بحران اس قدر شدید ہے کہ غزہ کے اندر فی الحال 58 ہزار 800 بچے یتیم اور 26 ہزار 370 خواتین بیوہ ہو چکی ہیں۔

جنگی تباہی کے دوران عوام کو راحت پہنچانے میں طبی، بلدیاتی شعبے کے اہلکار اہم کردار ادا کرتے ہیں لیکن اسرائیل نے انہیں خاص طور پر نشانہ بنایا تا کہ زخمیوں کو مناسب سہولت سے محروم رکھا جا سکے۔ صہیونی ظالموں نے صحت کی دیکھ بھال کے نظام پر 788 حملے کیے اور 197 ایمبولینسوں کو نشانہ بنایا گیا۔ قابض دشمن نے شہری دفاع کے 16 مراکز اور 84 ریسکیو و فائر بریگیڈ کی گاڑیوں کو تباہ کر کے آگ بجھانے والے 145 شہری دفاع کے کارکنان کو شہید کر دیا۔ اس بمباری کے نتیجے میں غزہ کے 38 اسپتال اور 96 مراکزِ صحت قابلِ استعمال نہیں رہے۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ایک ہزار 700 طبی عملے کے ارکان کو شہید کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک لاکھ 73 ہزار 514 زخمیوں کا پرسانِ حال نہایت قلیل عملہ مہیا تھا۔ ان زخمی لوگوں میں 19 ہزار کو طویل مدتی بحالی کی ضرورت ہے۔ ان کے علاوہ 5 ہزار 400 سے زائد افراد کے اعضاء کٹ چکے ہیں اور ایک ہزار 500 تو مستقل مفلوج ہو چکے ہیں۔ اسی طرح ایک ہزار 200 لوگوں نے اپنی بینائی گنوادی ہے۔ نقل مکانی کے باعث 21 لاکھ سے زائد افراد متعدی بیماریوں کا شکار ہوئے، جبکہ ہیپاٹائٹس کے 71 ہزار 338 کیسز ریکارڈ کیے گئے۔

موت اور بیماری کے علاوہ تیسرا سنگین بحران نقل مکانی کا ہے۔ ان حملوں نے 20 لاکھ سے زائد فلسطینیوں کو نقل مکانی پر مجبور کیا گیا کیونکہ 5 لاکھ 10 ہزار مکانات متاثر ہوئے۔ ان میں سے 3 لاکھ 35 ہزار تو مکمل طور پر تباہ ہو گئے۔ اس لیے 3 لاکھ 50 ہزار سے زائد خاندانوں کو رہائش کی ضرورت ہے۔ انسانی زندگی کی دیگر ضروریات مثلاً سینکڑوں کنویں، پانی، بجلی اور سیوریج کے نیٹ ورک کو برباد کیا گیا۔ ہزاروں کلومیٹر سڑکیں، سرکاری عمارتیں، کھیلوں کے مراکز اور آثار قدیمہ کے مقامات تباہ کر دیئے گئے۔ گھروں کے علاوہ عبادتگاہوں کی بات کریں تو ایک ہزار 47 مساجد کو مکمل طور پر اور 210 کو جزوی طور پر تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس تباہ کاری کا شکار گرجا گھر اور قبرستان بھی ہوئے۔ پانچویں صدی کا چرچ آف سینٹ پورفیریوس دنیا کا تیسرا قدیم ترین گرجا گھر منہدم ہو گیا۔ اسی

زمانے کا ایک قدیم بازنطینی گرجا گھر جو شاندار اور نایاب فرش کے موزیک کے سبب دنیا بھر میں مشہور تھا نشانہ بنا۔ 1882 میں تعمیر ہونے والا غزہ بپٹسٹ چرچ کو بھی صہیونیوں نے نہیں چھوڑا اور غزہ شہر میں واقع واحد کیتھولک ہولی فیملی چرچ کو بھی نقصان پہنچا۔ اس کے باوجود مغربی دنیا کے عیسائیوں کی اسرائیل کو حمایت قابلِ شرم تھی۔ غزہ کے 60 میں سے 40 قبرستان تباہ کیے گئے بلکہ 2 ہزار 450 سے زائد لاشوں کی چوری کا بھی شرمناک انکشاف ہوا۔

غزہ نہایت زرخیز علاقہ ہے لیکن جنگ کے سبب زرعی پیداوار میں 87 فیصد کمی آئی ہے۔ ابتدائی براہِ راست نقصانات 80 ارب ڈالر کا تخمینہ لگایا گیا ہے، جو غزہ کی پٹی میں زندگی کے ہر پہلو کو پہنچنے والی معاشی تباہی کا عکاس ہے۔ تعلیم کے اعتبار سے عرب دنیا میں فلسطینی سب ممتاز ہیں۔ غزہ جیسے مختصر علاقہ میں بے شمار تعلیمی ادارے اور کئی یونیورسٹیاں تھیں۔ اسرائیلی جارحیت 81 فیصد اسکولوں کی متاثر کیا اور انہیں دوبارہ تعمیر یا بنیادی بحالی کی ضرورت ہے۔ 17 اعلیٰ تعلیمی ادارے تباہ کر دیئے گئے، 20 ہزار سے زائد طلبا اور 830/ اساتذہ کی شہادت سے تعلیم کے شعبے کی تباہی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے 6 لاکھ 20 ہزار اسکولی طلبا اور 90 ہزار یونیورسٹی کے طالب علموں کو اپنا تعلیمی سلسلہ منقطع کرنا پڑا ہے۔ آزمائش کی اس گھڑی میں اقوام متحدہ سمیت دنیا بھر کے دردمند لوگ غزہ والوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں مگر سرحدوں کو 650 دنوں سے بند کر کے رکھا گیا ہے۔ اس دوران 3 لاکھ 90 ہزار امدادی ٹرکوں کو غزہ میں داخل ہونے سے روک کر خوراک کی تقسیم کے مراکز کو براہِ راست نشانہ بنایا گیا۔ اس سفا کی کے سبب 6 لاکھ 50 ہزار غذائی قلت کا شکار بچوں میں 40 ہزار شیر خوار شامل ہیں۔ 22 ہزار سے زائد مریضوں کو علاج کے لیے باہر جانے سے روکا جا رہا ہے۔ صہیونی یہودیوں اور ان کے حامی سفید فام نسل پرستوں کو اپنے جمہوری نظام پر بہت ناز ہوا کرتا تھا مگر غزہ کی تباہی نے ان کے چہرے پر پڑی خوبصورت جمہوریت کی نقاب نوچ کر پھینک دی ہے۔ علامہ اقبال نے یہی تو کہا تھا۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرا روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

جنگ کے دوران جارح اقوام احساسِ جرم اور انانیت کے سبب اپنے نقصان کو کم کر کے بیان کرتی ہیں جبکہ مجروح لوگ برائے ہمدردی بڑھا چڑھا کر یا کم از کم سچ سچ بیان کر دیتے ہیں۔ اس کشمش کے ایک ہزار دن کی تکمیل پر اسرائیل کی وزارت جنگ نے بھی چند اعترافات کیے ان کی مدد سے اصل نقصان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسرائیلی فوج کے تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق، غزہ کی پٹی پر جنگ کے آغاز سے اب تک 964/ افسر اور فوجی ہلاک ہو چکے ہیں، جبکہ 6 ہزار 424 زخمی ہوئے ہیں۔ اسرائیل نے سرکاری طور پر اپنی عسکری کارروائیوں کے دوران جو جانی اور مادی نقصانات کی معلومات جاری کی ہیں ان پر سخت فوجی سنسر شپ کے سبب اعتبار کرنا بہت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں مبصرین نقصانات کے ان اعداد و شمار پر یقین نہیں کرتے۔ اسرائیلی فوج نے دورانِ جنگ 262 صحافیوں کو شہید کر دیا تا کہ حقائق کو چھپایا جاسکے۔ ان کا تو یہ حال ہے کہ جب ایک رہائشی عمارت بمباری سے تباہ ہو گئی تو برج موہن سنگھ نامی ایک ہندوستانی رپورٹر جائے واردات پر پہنچ گیا۔ وہ جب تفتیش کے لیے اندر جانے لگا تو اسے اہلکاروں نے یہ کہہ کر بھگا دیا گیا کہ جاو لکھ دو کہ دو افراد ہلاک ہوئے۔

اسرائیلی حکام نے جانی نقصان کی تعداد کو تو چھپایا گیا مگر زخمیوں اور نفسیاتی امراض کا شکار لوگوں کی بابت بہت سارے اعداد و شمار جاری کر دیئے گئے۔ اسرائیل کی سرکار نے تسلیم کیا کہ غزہ کی پٹی پر جنگ کے آغاز سے اب تک فوج کے تقریباً 26 ہزار 200 اہلکاروں نے علاج کروایا۔ ان میں سے 65 فیصد افراد نفسیاتی عوارض کا شکار ہیں۔ رپورٹ میں آگے کہا گیا کہ ان مریضوں تعداد تقریباً 17 ہزار ہے جبکہ 7 ہزار 700 جسمانی زخموں کے شکار ہیں، جن میں 97/ افراد کے اعضاء کٹ چکے ہیں۔ یہاں گڑ بڑ یہ ہے جسمانی طور پر زخمی اگر 35 فیصد ہے تو وہ تعداد 9170 ہونی چاہیے۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ جن فوجیوں کے سر پر ہوائی حملوں کی چھتری ہوتی تھی اور جو سر سے پیر تک ہتھیاروں سے اس طرح لیس ہوتے تھے کہ چہرا تک دیکھنا مشکل ہو ان کی اتنی بڑی تعداد کو حماس کے مجاہدین نے زخمی کیا۔ سچائی تو یہ ہے کہ اصل تعداد کئی گنا زیادہ ہوگی۔ سرکاری رپورٹ کے مطابق 92 فیصد زخمی مرد ہیں، جن میں سے 48 فیصد کی عمریں 30 سال سے کم، 30 فیصد کی عمریں 30 سے 39 سال کے درمیان، جبکہ 22 فیصد کی عمریں 40 سال سے زیادہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے تربیت یافتہ معمر فوجیوں نے کم عمر نوجوانوں کو مرنے کے لیے آگے کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیل میں جذبۂ شہادت سے عاری زبردستی کے فوجی میدان جنگ سے بھاگتے ہیں۔ ایسے بزدل حماس کے شیر دل مجاہدین کے سامنے کیا ٹکیں گے جن کی بابت علامہ اقبال نے فرمایا۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

آئینہ ایام: عبدالقیوم فہمید

دھویں میں لپٹی ممتا، راکھ میں سلگتی زندگی

غزہ کی بے سہارا ماؤں کا کرب، کیا ان ماؤں کے مصائب کبھی ختم ہوں گے؟

صہیونی سفاکیت کے نتیجے میں غزہ میں بائیس ہزار خواتین بیوہ اور بے سروسامانی میں اپنے بچوں اور خاندان کی کفالت پر مجبور

آج جب میں کوئی قلم اٹھا کر غزہ کی ان ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے بارے میں لکھنے بیٹھتا ہے تو اس کے الفاظ بھی سسکیاں لینے لگتے ہیں۔ غزہ جو کبھی خوشیوں کا گہوارہ تھا آج ایک ایسی بھٹی بن چکا ہے جہاں زندگی ہر لمحہ جھلس رہی ہے۔ محصورین غزہ کی بے بسی بدترین انسانی المیے بن چکی ہے اور بے سہارا ہونے والی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں جن کٹھن حالات میں بقا کی جنگ لڑ رہی ہی ان مشکلات اور مصائب کو الفاظ میں بیا کرنا بھی ممکن نہیں۔

خان یونس کی جلال سٹریٹ پر ایک قدیم اور مڑتی ہوئی سلائی مشین کے پیچھے بیٹھی نگین بن عیسیٰ کی بوڑھی انگلیاں اور کپکپاتے ہاتھ کپڑے کے دھاگوں سے زیادہ اپنی تقدیر کے الجھے ہوئے تاروں کو درست کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ جنگ نے ان کی سوشل سکیورٹی چھین لی اور زندگی نے انہیں یہ مشقت سونپ دی۔ نگین درد سے بھرائی ہوئی آواز میں کہتی ہیں۔

’’یہ کام حد درجہ تھکا دینے والا ہے، لیکن اگر میں یہ نہ کروں تو کون ہمیں کھلائے گا، کون ہمیں پلائے گا؟ یہ مشین اور میرے پڑوسی کی مہربانی ہے کہ میں کام کر پا رہی ہوں، ورنہ میں کب کی ہار مان چکی ہوتی اور میرے بچے بھوک سے جان دے چکے ہوتے۔‘‘

ان کے لیے المیہ صرف کام کی زیادتی نہیں، بلکہ بڑھتی ہوئی مہنگائی ہے۔ وہ بتاتی ہیں کہ جو قینچی پہلے پانچ شیکل کی تھی، اب پندرہ کی ہے۔ دھاگہ جو تین کا تھا، وہ بھی پندرہ کا ہو چکا ہے۔ کپڑے کی قیمت چھ گنا بڑھ گئی ہے اور کبھی کبھی تو بازار میں دھاگہ تک نہیں ملتا۔ نگین کی یہ کہانی اس معاشی قتلِ عام کی عکاس ہے جو غزہ کی ہر ماں کا مقدر بن چکا ہے۔

جب وقت تھم جاتا ہے

ناصر ہسپتال کے نزدیک ایک کھلے آسمان تلے جود کوارع کا چھوٹا سا ٹھیلا ان کی زندگی کا واحد سہارا ہے۔ اپنے والدین اور شوہر کو جنگ کی نذر کرنے کے بعد جود کی زندگی صبح چھ بجے شروع ہوتی ہے اور شام پانچ بجے ختم نہیں ہوتی، بلکہ خیمے کی دوسری مشقتیں وہاں ان کی منتظر ہوتی ہیں۔

’’میں نے خود کو اور اپنے بچوں کو پالنے کے لیے یہ ٹھیلا لگایا ہے۔ لیکن ستم دیکھیے کام ختم کرنے کے بعد مجھے گھر کے چولہے، روٹی اور کپڑے دھونے کی فکر کھائے جاتی ہے۔ میرے پاس آرام کا ایک لمحہ بھی نہیں ہے۔‘‘

جود کے الفاظ میں ایک ایسی خاموش چیخ ہے جو ان لاکھوں خواتین کی نمائندگی کرتی ہے جنہوں نے اپنوں کو کھونے کے بعد خود کو پتھر کر لیا ہے۔

دھویں راکھ میں لپٹی زندگی

غزہ کے ایک ’تنور‘ کے سامنے جہاں سے نکلنے والی تپش سورج کی گرمی کو بھی مات دیتی ہے۔ باون سالہ ام احمد ابو مغصیب کا وجود اب محض راکھ اور دھوئیں کا ایک مجسمہ بن چکا ہے۔ ان کے کپڑے کالے پڑ چکے ہیں اور چہرہ راکھ سے اٹا رہتا ہے۔ ان کا درد ان کے الفاظ سے عیاں ہے:

’’میں جب شام کو واپس لوٹتی ہوں تو میرے ہاتھ جلے ہوئے اور چہرہ راکھ سے بھرا ہوتا ہے۔ لیکن جب میں اس تھکن کے عوض بچوں کے لیے روٹی خریدتی ہوں، تو لگتا ہے کہ میری ساری تکلیف رائیگاں نہیں گئی۔‘‘

ام احمد اب دمہ اور جوڑوں کے شدید درد کا شکار ہیں۔ کہتی ہیں کہ:

’’کبھی کبھی خیمے میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ پانی کی قلت کے باعث منہ دھو سکوں۔ کپڑے وہی، بدن وہی اور سینے میں دھوئیں کی بو. یہ میری زندگی بن چکی ہے۔‘‘

ادھورا خواب جو بکھر گیا

ریم النجار کی عمر 35 سال ہے۔ جنگ سے پہلے اپنے چھوٹے سے کاروبار کا خواب دیکھتی تھیں۔ آج وہ لکڑی جلانے والے تنور کے سامنے اپنی بینائی کھو رہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

’’کبھی کبھی میں ایسے کھانے پکاتی ہوں جو میں خود اپنے بچوں کے لیے نہیں خرید سکتی۔ یہ بہت تکلیف دہ ہے۔ میری نظر کمزور ہو رہی ہے، سینے میں درد ہے اور جلد پر الرجی ہے۔ لیکن صبر کے سوا اب ہمارے پاس بچا ہی کیا ہے؟۔‘‘

خوفناک اعداد و شمار

یہ صرف چند کہانیاں نہیں ہیں یہ ایک پورے معاشرتی انہدام کی تصویر ہے۔ 22057 خواتین بیوہ ہو چکی ہیں۔ 18 فیصد خاندان اب خواتین چلا رہی ہیں، جبکہ جنگ سے پہلے یہ شرح صرف 12 فی صد تھی۔ ہر سات میں سے ایک گھر کی سربراہی ایک ایسی عورت کر رہی ہے جس کے پاس تحفظ ہے اور نہ ہی بنیادی سہولیات۔

غزہ کے ان خیموں میں جہاں پانی کی قطاریں گھنٹوں طویل ہیں اور تپتی دھوپ میں ہر ماں اپنی اولاد کے لیے ایک گھونٹ پانی کا انتظار کرتی ہے، وہاں حقیقت یہ ہے کہ ’’صبر‘‘ اب ایک آپشن نہیں، بلکہ زندگی گذارنے کا واحد طریقہ بن گیا ہے۔

خالد مصری اور ان کی اہلیہ سمر کی طرح نہ جانے کتنے ہی جوڑے ہیں جو آگ اور دھوئیں کے درمیان سانس لے رہے ہیں۔ وہاں ہر روٹی جو تنور سے نکلتی ہے، وہ کسی ماں کے خون پسینے کی کمائی اور کسی بہن کے ٹوٹے ہوئے خوابوں کی قیمت سے خریدی گئی ہے۔

غزہ کی یہ خواتین اس وقت تاریخ کا وہ دردناک باب لکھ رہی ہیں، جسے آنے والی نسلیں کبھی فراموش نہیں کر پائیں گی۔ کیا ہم ان کی اس خاموش چیخ کو سن پا رہے ہیں، یا یہ چیخیں بھی عالمی ضمیر کے شور میں کہیں کھو گئی ہیں؟۔ لگتا ہے دنیا نے غزہ کے محصورین اور مفلوکین کو غاصب صہیونیوں اور حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔

تبصرہ: ابوثمائل

اسرائیلی یرغمالی آزادی پاکر سچائی بھول گئے

اسرائیل کے جنرل کمیشن کی رپورٹ تضادات کا مجموعہ نکلی

''انہوں نے میری عصمت برباد نہیں کی۔ سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے مجھے چھوا تک نہیں ہے۔''

واشنگٹن پوسٹ نے جون 2024ء میں ایک رپورٹ شائع کی۔ اس سے یوں لگتا تھا کہ سچ کو جھوٹ کس طرح بتایا جاتا ہے۔ سول کمیشن کی رپورٹ سے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی جس میں رپورٹ لکھنے والوں نے القسام بریگیڈ یا القدس بریگیڈ یا حماس سے وابستہ دیگر جنگ جو گروہوں پر الزامات بنائے گئے۔ مثال کے طور پر کمیشن رپورٹ میں لکھا گیا کہ: ''یرغمالی مرد اور خواتین رہائی پا کر واپس آئے تو انہوں نے اس امر کی تصدیق کی کہ ان کی عزت بار بار لوٹی گئی، ان پر جنسی تشدد کیا گیا، علاوہ ازیں جنسی اعتبار سے ان کی توہین کی جاتی رہی۔''

جس مدت میں وہ یرغمال رہے، اس دوران میں کسی بھی متاثر کی زندگی جنسی تباہی سے دوچار ہوئی؟ ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اس پر براہ راست جنسی تشدد کیا، ان کی آبرو برباد کی گئی۔ کمیشن کی رپورٹ میں نام لے کر کسی کے الزامات سامنے نہیں لائے گئے۔ ایک خاص طور پر عوامی شخصیت نے، جو خود یرغمال نہیں رہی تھی، اس نے (دعویٰ کے انداز میں) کہا کہ یرغمالیوں کے ساتھ یہ سب کچھ کیا گیا۔ اسی اشاعت میں یرغمالی موران سٹیلا کا انٹرویو بھی شائع ہوا۔ کر ان نے بڑے صاف الفاظ میں کہا:

''انہوں نے میری عصمت دری نہیں کی۔ اسے برباد نہیں کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے مجھے چھوا تک نہیں۔''

لیکن اخبار نے اضافہ کیا کہ:

''جو بات اسے (موران کو) بار بار تنگ کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ دوسری خواتین یرغمالیوں نے اسے بتایا کہ ان سے بار بار زیادتی کی گئی۔ اس نے جان بوجھ کر حقائق چھپائے رکھے۔ ایسا کرنے سے وہ اپنی نجی زندگی میں بار بار ایسے سوالات سے محفوظ رہیں کہ کیا ہوا، ان کی عصمت دری کیسے کی گئی، ان پر تشدد کس طرح، کتنا اور کب تک ہوا۔''

یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ تقریباً ہر یرغمالی نے رہا ہونے کے بعد یہاں تک کہا کہ ''انہیں یہ خوف بھی نہیں رہا کہ ان کو بے آبرو کیا جائے گا، انہیں ہراساں کیا جائے گا اور ان کی زندگیاں مزید خطرات سے دوچار ہوں گی۔''

رپورٹ میں بعض نئے الزامات کا اضافہ کیا گیا جو کمیشن کے مطابق اسے خود یرغمالیوں نے رہائی کے بعد بتائے جن میں جنسی حملوں کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ ''انہیں دو کم سن بچوں نے بتایا کہ ان کے خاندانوں کو پتہ نہ چلے۔ انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ جنسی عمل کریں۔''

یہ بھی کہا گیا کہ یہ الزامات کمیشن کے سامنے ان بچوں نے خود لگائے۔ انہوں نے بعض نوعیت کی معمولی اہم معلومات بھی دی گئیں۔ یہ دعویٰ کیا گیا کہ اس نوعیت کی معلومات کمیشن کو براہ راست دی گئیں۔ ان رپورٹس کا آزادانہ طور پر تجزیہ کرنا ممکن نہیں رہا کیوں کہ متاثرین تک رسائی روک دی گئی۔ اس کے لیے ایک ایسی آرگنائزیشن سے رجوع کرنے کا کہا گیا۔ جو غیر مصدقہ ذرائع سے معلومات دینے کی وجہ سے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اگر ان کو سچ بھی قرار دے دیا جائے جس اسرائیلی بیانیہ میں وسیع پیمانے پر عصمت

دری، اجتماعی زیادتی 7 اکتوبر کو کی گئی۔

پھر ہزاروں تصاویر اور ویڈیوز سامنے لائی گئیں لیکن کسی سے بھی آبروریزی ثابت نہیں ہوسکی۔ کمیشن نے جو کچھ کہا اور دکھایا یا لکھا گیا وہ سب ایک طرح سے کانا پھوسی سے زیادہ اہم دکھائی نہیں دیا۔ خود کمیشن نے کہا:

''ہر طرح سے جنسی حملوں کا جائزہ لیا جائے، یہی بات سامنے آئی کہ یرغمال بنانے والے بڑے پیمانے پر قتل و غارت گری کرتے رہے، وہ قتل کر کے کامیابی کا جشن مناتے تھے، مذہبی گیت گاتے اور تشدد کے مناظر کی فلم بندی کرتے تھے۔

رپورٹ میں لکھا گیا کہ حملہ آوروں نے اسرائیلیوں کا قتل عام کیا۔ انہیں زندہ جلا کر تشدد کیا، ان کی لاشوں کی بے حرمتی کی، ان پر جنسی حملے کیے اور انہیں بے رحمی سے یرغمال بنایا۔

جن فلسطینیوں پر یہ الزامات لگائے گئے، ان کی وہ فلمیں بنا کر اور دستاویزی انداز میں پروپیگنڈہ کرتے رہے۔ وہ تشدد کو شاندار اور انسانی زندگی کی بے قدری کرتے رہے۔

اب تو یہ دور ہے کہ اب تو ہر کسی کے پاس کیمرہ ہے، ہزاروں میں اسرائیلی عینی شاہدین تھے۔ انہیں پورا موقع ملا کہ وہ ان جرائم کی منظر کشی کرتے رہے۔

کمیشن رپورٹ لکھنے والوں کے مطابق انہوں نے 10 ہزار سے زیادہ تصاویر دیکھیں، ویڈیوز کا جائزہ لیا۔ ان پر 18 سو سے زیادہ گھنٹے صرف کیے۔ لیکن رپورٹ میں کہیں نہیں بتایا گیا کہ اس سارے مواد سے کہیں بھی عصمت دری کا براہ راست واقعہ نہیں دیکھا گیا۔ باڈی کیمرہ منظر کشی سے صرف اتنا معلوم ہوسکا کہ 7 اکتوبر کو ایک فلسطینی جنگجو دیکھا گیا کہ وہ متعدد خواتین سپاہیوں کو قتل کر رہا تھا۔ یہ واقعہ ایک فوجی بیس میں وقوع پذیر ہوتے دیکھا گیا۔ سول کمیشن اس موقع کی ویڈیو کی تفصیلات جاری نہ کرسکا اور نہ کسی جگہ براہ راست عصمت دری یا خواتین پر تشدد ہوتے ہی دکھا سکا۔ کسی ایک ریپ کی بھی فلم یا ویڈیو کمیشن پیش نہیں کرسکا۔

کمیشن کی اس رپورٹ سے اقوام متحدہ کی خصوصی نمائندہ پامیلا پالین کی رپورٹ زیادہ درست ثابت ہوئی۔ اسرائیلی حکومت نے پامیلا کے جو کچھ بھی حوالے کیا، ان سے اسرائیلی الزامات کا ثبوت نہ مل سکا۔ تاہم ان سے نسل کشی کے مناظر ضرور سامنے آئے۔ بہت زیادہ چھان پھٹک کے بعد بھی کسی نوعیت کا ڈیجیٹل ڈیٹا ثبوت کے طور پر سامنے نہ آسکا جس سے جنسی حملوں کی تصدیق ہوسکے۔

مزید برآں اپریل 2024ء میں اسرائیلی اخبار حارتظ نے رپورٹ کیا کہ پولیس کے تفتیشی حکام اور خفیہ اداروں نے جس قدر مواد ثبوت کے طور پر پیش کیا جن میں دہشت گردوں کے باڈی کیمروں سے بھی تفصیلات شامل تھیں، کسی سے بھی عصمت دری کے کسی ایک واقعہ کی بھی فوٹیج یا تصویر تک نہ مل سکی۔

کمیشن رپورٹ ان تفصلات کو کہیں بھی چیلنج نہ کرسکی۔ یہ کوشش ضرور کی گئی کہ دستیاب مواد کو کس طرح سے پوشیدہ رکھا جائے۔ کمیشن نے 7 اکتوبر کے جن واقعات کا سہارا لیا وہ سب کے سامنے تھے۔ ان سے مطلوبہ مواد حاصل کرنے کے لیے کہا گیا کہ ''بے شمار عینی شاہدوں'' کے بیانات موجود تھے۔ لیکن ان میں متاثرین وہ نہیں تھے جو 7 اکتوبر کے تھے۔ اس طرح پیش کیے جانے والے مواد کو قابل اعتبار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ان میں ایک خاتون "Sapir" کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بیان کردہ واقعات کی کوئی وقعت متعین ہی نہیں کی جاسکی۔ اسے بار بار تبدیل کیا گیا اور پھر ختم کر دیا گیا۔

دی ٹائمز نے لکھا: ''Sapir نے انسانی حملہ آوروں کو دیکھا جنہوں نے کئی عورتوں سے گینگ ریپ کیا۔ پھر اس نے کہا کہ میں نے ان دہشت گردوں کے ہاتھوں میں تین عورتوں کے سر دیکھے۔ پھر کہا کہ سر بڑی تعداد میں تھے۔''

الیکٹرانک انتفادہ نے اس کا جائزہ لیا اور بتایا کہ جس فلم کا ذکر کیا گیا کہ دہشت گردوں کے ہاتھوں میں بے شمار عورتوں کے سر تھے، ان کا کمیشن رپورٹ میں کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔ اس کہانی کو فیس بک پر Screans Before Silence کے عنوان سے پیش کیا گیا۔

رپورٹ میں متعدد دیگر مشکوک عینی شاہدین میں راز کوہن اور ٹال بینٹر بھی شامل کیے گئے ہیں۔ ان کی بیان کردہ سٹوری بار بار بدلتی ہے۔ ان کے بیان کو گالر مین کے آرٹیکل میں بھی شامل کیا گیا۔ راز کوہن اور ٹال بینٹر سینڈ برک کی ایک فلم میں بھی دکھائے گئے۔

سول کمیشن رپورٹ میں کئی ایسے افراد بھی شامل کیے گئے جن پر ماضی میں عدم اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ ان میں روی ڈیوین کو بھی شامل کیا گیا جن کے مطابق 7 اکتوبر کو انہوں نے حماس کے جنگجوؤں کو موقع واردات پر دیکھا۔ ڈیوڈین سینڈ برگ کی فلم میں بھی تھے جس میں انہوں نے بتایا کہ اس اکیلے نے کئی اسرائیلیوں کو فلسطینی فائٹر سے بچایا۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے درجنوں متاثرین کو مردہ حالت میں دیکھا جن کی عصمت لوٹ لی گئی تھی۔ پھر مردہ متاثرین کو ایک اور جگہ دیکھا تاکہ یہ کہا جاسکے کہ ریپ متاثرین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

ایک سال بعد اسرائیل کے ایک چینل 13 نے تحقیقات کیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ اوپر بیان کی گئی کہانی درست نہیں تھی۔ وہ جس طرح فلم میں سپر ہیرو کی طرح نظر آئے اسے انہوں نے مختلف مقامات پر بات کرنے کے لا تعداد شیکل حاصل کیے اور خوب شہرت پائی۔ ایک صحافی راوف ڈرفلر نے بتایا کہ یہ ایسی کہانیاں تھیں جو شروع سے آخر تک ایسی تھیں جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ لیکن بیان کیے گئے واقعات ہرگز، ہرگز رونما نہیں ہوئے۔

اس کے باوجود ان بیان کی گئی بہت وسیع پیمانے پر تشہیر کی گئی اور وہ سول کمیشن رپورٹ میں بھی اس پوزیشن پر نظر آئے۔ ایک اور گروہ بھی کمیشن نے پیش کیا جس نے 7 اکتوبر کو بہت کچھ ہوتے دیکھا۔ یہ اسرائیل کے ZAKA گروہ کے ارکان تھے۔ یہ اسرائیل کی انتہائی وفادار ایجنسی ہے جو فنڈنگ سے کام کرتی ہے۔ کمیشن کی رپورٹ میں ان کے بیانات پر بہت زیادہ انحصار کیا گیا۔

پھر یوں ہوا کہ میٹی زجا کے بیان کردہ متاثرین بول پڑے۔ پھر اس گروہ کے چیئرمین کو خود سامنے آنا پڑا۔ سول کمیشن رپورٹ میں کیسٹائن کیمونی کیشنز کا خصوصی شکریہ ادا کیا۔ اس گروپ کے ناقابل اعتبار بیانات کو خود اسرائیلی میڈیا نے درست تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

رپورٹ میں تسلیم کیا گیا کہ اسرائیلی حکام موقع واردات سے شواہد اکٹھے کرنے نہیں پہنچے۔ رپورٹ میں فوج کی ایک ریزروشر لین مینڈس کے بیانات بھی موجود ہیں۔ وہ 2024ء میں سینڈ برگ کی فلم میں وہ بھی نظر آئیں۔ اس میں فوج کی ایک بیس دکھائی گئی جہاں تمام متاثرین اور ہلاک شدگان کو لے جایا گیا۔ ان میں بہت سے ہلاک شدگان بے لباس یا نیم برہنہ دکھائے گئے۔ اس حالت میں لانے کا مقصد یہ تھا کہ ان کی کس حد تک آبروریزی کی گئی۔

اس کمیشن کی رپورٹ کا اصل مدعا یہ ہے کہ یہ کسی طرح ثابت کیا جائے کہ 7 اکتوبر کو حماس کے حملے کا جواب دینا ضروری ہو گیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ غزہ پر حملے کے منصوبے برسوں پہلے تیار کی گئے تھے۔ 7 اکتوبر تو بہانہ تھا۔

میڈیا واچ: ربیٰ میسون

7 اکتوبر 2023ء جب مغربی میڈیا صیہونی جھوٹ میں ڈوب گیا

یہودالنسل ہونا یہ معانی رکھتا ہے کہ ان کے سوا کوئی دوسرا انسان نہیں، درندہ ہے۔ فلسطین کا ہر فرد بنیامین نیتن یاہو، جو بائیڈن، انتھونی بلنکن نے (Human Animal) قرار دیا۔ کئی بیانات یہودی راہنماؤں اتمار بن غفیر بزازیل سموٹریش، ازرائیل کاتک، نیفتالی بینٹ اور دیگر کے موجود ہیں جن میں فلسطینیوں کو بالخصوص اور دیگر انسانوں کو ''انسان'' کے درجے میں انہوں نے قرار نہیں دیا۔ مغربی میڈیا کے یہودی مالکان، تجزیہ نگار اور سپورٹرز فلسطینیوں کو ''انسانیت کا مجرم'' قرار دیتے ہیں۔

7 اکتوبر 2023ء کو جو کچھ ہوا، اسے ''کیموفلاج'' کرنے کے لیے اس میڈیا نے مکمل وقت، صلاحیت اور الفاظ خرچ کر ڈالے۔ اس بارے میں ایک کمیشن بنایا گیا جسے سول کمیشن کا نام دیا گیا۔ اسے ایک آزاد کمیشن قرار دیا گیا۔ اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں بے شمار دعوے شامل کیے جو پہلے ہی متضاد اور حقیقت کے خلاف قرار پا چکے تھے۔ کوئی شاید ہی جانتا ہو کہ اس کمیشن اور دعویٰ کنندگان کو ایسی خبریں اور رپورٹیں کون دے رہا تھا۔

''ڈیلی میل'' نے ایک دعویٰ کیا کہ اس کی ایک رپورٹ سے معلوم ہوا، اور یہ پہلی مرتبہ تھا کہ جس نوعیت کا جنسی استحصال حماس نے اس دن کیا، اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے یہ اصلاح شائع کی گئی:

"Sexual Horror"

اس کے بارے میں ایک اور اصطلاح ''باوثوق ذرائع'' کی استعمال کی گئی۔ پھر کہا گیا کہ اس کی تصدیق نہیں کی جا سکی۔ CNN نے کمیشن کی رپورٹ کو (Land Mark) قرار دیا پھر اس کے مصنف کو انٹرویو کے لیے بلایا گیا۔ BBC نے اس رپورٹ کو The Most Comprehensive report یعنی انتہائی جامع رپورٹ قرار دیا۔ اس کے مطابق اس میں حماس کے مجرمانہ کردار پر دستاویزی ثبوت جمع کر دیے گئے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی ان ''دستاویزی ثبوتوں'' کی سکروٹنی نہیں کرائی اور نہ ہی ان پر آزاد حلقوں کے ظاہر کیے اور بیان کیے گئے شکوک و شبہات دور کرنے کا کام ہی کیا گیا۔ جب فلسطینیوں اور غزہ پر اسرائیلی جارحیت کی خبروں کی باری آئی تو بہت ہی ہولناک اسرائیلی حملوں کی خبروں کا ہر طرح سے بائیکاٹ کیا گیا۔ CNN پر آنے والی ہر خبر اور رپورٹ کو سامنے لانے سے پہلے ایک ادارتی فوجی گروپ کے سامنے لایا جاتا تھا جو مکمل سنسر کے بعد جاری کی جاتی تھی۔

فرانس کے اخبار LeMonde نے ایک آرٹیکل شائع کیا جس پر نوٹ دیا گیا کہ یہ:

The Most Sympathetic Article لکھا گیا۔ اس میں حماس پر تنقید کا ایک نیا انداز اختیار کیا گیا۔ اخبار نے یہ اعتراف ضرور کیا کہ اس کی رپورٹ چیلنج ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ بھی بیان کر دی گئی کہ اس میں مبینہ واقعات بیان کیے گئے جو ایک دوسرے سے بالکل متصادم تھے۔

Globe and Max نے تو تمام برائیوں کا محور حماس کو قرار دیتے ہوئے لکھا کہ ''کمیشن کی رپورٹ نے وہ تمام ممکنہ طریقے بیان کر دیے جو کہیں بھی عصمت دری، اجتماعی آبرو ریزی، جنسی حملوں کی منظم صورتیں ہو سکتی ہیں۔ عصمت دردی کے بعد انسانوں بالخصوص عورت کو زندہ جلانا، لاشوں کی بے حرمتی کرنا، ان کا مثلہ کرنا ممکن ہے تو کس طرح سے ہے۔ حتیٰ کہ یہاں تک لکھا گیا کہ پوسٹ مارٹم کے بعد جنسی تشدد کس طرح کیا جاتا ہے۔ لاشوں کو خراب کس طرح کیا جاتا ہے۔ (بعض جملے بیان ہی نہیں کیے جا سکتے)۔

کینیڈا کے اخبار نے لکھا کہ ان تمام الزامات اور دعوؤں کو من و عن تسلیم کر لیا جائے تو یہی سمجھ آتا ہے کہ جنسی تشدد اور حملے بہت ہولناک تھے۔ تاہم ان میں کہیں بتایا نہیں گیا کہ ان حملوں کا نشانہ کتنے مرد یا عورتیں بنیں۔ یہی بات کمیشن کی رپورٹ کو بے وقعت بنا دیتی ہے۔

سول کمیشن کا آغاز اسرائیل کے لیگل سکالر کوکیو ایلکا یام (Cochave Alkayam) نے کیا تھا۔ اس کمیشن نے 7 اکتوبر 2023 کے دن سے ہی اپنے ''کام'' کا آغاز کر دیا تھا۔ اس رپورٹ کو خود اسرائیلی میڈیا نے سختی سے مسترد کر دیا۔ ایلکا یام اپنے مشکوک طریقۂ تحقیق کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بنی شروع ہو گئی تھیں۔ بعض انکشافات تو ایسے کیے گئے جن کی وجہ سے اسرائیل کی حکومت کی خوب جگ ہنسائی ہوئی۔ مثال کے طور پر اسرائیل کے اخبار یدیعوت احرانوت نے لکھا: ''لوگ اس سے دور ہٹتے گئے کیوں کہ ان کی تحقیقات کی تصدیق نہیں ہو سکی اور نہ ہی یہ ممکن تھا۔

Ynet آن لائن نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ رپورٹ میں بتایا گیا کہ حماس کے جنگجوؤں نے ایک اسرائیلی حاملہ عورت کا پیٹ پھاڑ دیا۔ یہ کہانی جھوٹ ثابت ہوئی۔ کمیشن کی سربراہ ایلکا یام نے بڑے شد و مد سے یہ کہانی انٹرنیشنل میڈیا میں پیش کی۔

''یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ پروفیشنل میڈیا نے اس پر اسرائیل کے خوف سے آہستہ آہستہ بات کرنی شروع کی۔ صحافیوں اور مبصرین نے خود کو اس کمیشن اور ایسی خبروں سے دور کرنا شروع کر دیا۔ ان کے مطابق کمیشن کی رپورٹ کے کسی حصے سے بھی اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ پھر انہوں نے لکھا کہ ایلکا یام اور لیوی نے ایک ایسی تصویر بھی کمیشن رپورٹ میں شائع کر دی جو ایک مقتول کرد ش جنگجو کی تھی۔ یہ خاتون کسی اور ملک میں ماری گئی تھیں۔

ایلکا یام اور لیوی نے اسرائیلی حکومت اور دیگر ذرائع سے جو مالی مفادات سمیٹے، ان پر بھی میڈیا اور آزاد اداروں نے شدید تنقید کی:

''ان دونوں نے بہت بڑی تعداد میں یہودیوں سے بھاری رقوم نذرانے کے طور پر کئی بار وصول کیں۔ جن اداروں نے انہیں سپانسر کیا ان میں جیوش فیڈریشنز آف نارتھ امریکہ، جیوش فیڈریشن آف لاس اینجلس، جیوش فیڈریشنز آف عظیم فلاڈلفیا، جیوش نیشنل فنڈ آف میٹروپولیٹن شکاگو، دی نیو اسرائیل فنڈ وغیرہ سے خصوصی مراعات اور فنڈز سمیٹے گئے۔

کمیشن رپورٹ کے بانیوں میں جرمن حکومت بذریعہ جرمن سفارت خانہ تل ابیب بھی شریک کار رہے۔ جرمن حکومت اس کمیشن رپورٹس کی بنیاد پر حماس اور فلسطین کے خلاف الٹے سیدھے بیانات جاری کرتی رہی۔ اس رپورٹ کے صرف ابتدائی درجن بھر صفحات کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں اسرائیل کے بڑے بڑے لیڈروں اور میڈیا پرسنز کے بیہودہ بیانات پڑھنے کو ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ امریکی راہنماؤں جیسے ہیلری کلنٹن، شیریل سینڈ برگ اور رحم ایمانویل کے بیانات بھی انہی صفحات پر موجود ہیں۔

کینیڈا کے سیاستدان اروین کوٹلر کے بیانات بھی ہیں۔ ان کو اس رپورٹ کے پرنسپل کنٹری بیوٹر کا درجہ بھی حاصل رہا۔ انہوں نے رپورٹ کا ''پیش لفظ'' بھی تحریر کیا۔ اروین کوٹلر کی بنیادی وجہ شہرت یہ ہے کہ وہ امریکہ میں اسرائیل کی لابی فرم سے وابستہ ہیں۔ اسرائیل کے لیے ان کا رویہ معذرت خواہانہ ہے۔ وہ ایک تنظیم doctors against racism and antisemitism کے اعزازی رکن بھی ہیں۔ اور اس تنظیم کے ڈائریکٹرز میں شامل ہیں۔ انہوں نے یونیورسٹی آف ٹورنٹو پر دباؤ ڈالا کہ وہ نسل پرستی کے الزامات کو سامیت دشمنی antisemitism قرار دے۔

کمیشن کے مصنفین کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے رپورٹ کی تیاری کے لیے 430 رسمی اور غیر رسمی انٹرویوز کیے، اس کے لیے تصدیقات حاصل کیں، بے شمار اجلاس منعقد کیے، میڈیا انٹرویوز پر انحصار کیا، تحقیقاتی رپورٹوں کا مطالعہ کیا، دستاویزی فلمیں دیکھیں، پوڈ کاسٹ کیے، آرٹیکل دیکھے۔ اسرائیل نے پروپیگنڈہ کیے رکھا کہ اس دن حماس کے جنگجوؤں نے خواتین کا بار بار ریپ کیا۔ کیا اس رپورٹ کے مندرجات کو انکشافات کہا جا سکتا ہے؟ اس رپورٹ کا بڑا اور بنیادی مسئلہ یہ تھا اور ہے کہ متاثرین کا اب تک علم نہیں، ان کی تصاویر نہیں، ان کے نام نہیں، ان واقعات کے آزاد عینی شاہد نہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی نجی تفصیلات ظاہر نہیں کی جا سکتی تھیں۔ جو ان واقعات میں بچ رہے، ان کے نام اور تصاویر بھی نہیں۔ اسرائیلی حکومت نے یہ ساری تفصیلات کیوں پوشیدہ رکھیں۔

آج تک اسرائیل نے 7 اکتوبر 2023ء کے مبینہ 1200 متاثرین کے نام، کام، پہنچنے والے زخم سمیت کوئی بھی مواد تحقیقات کے لیے پیش نہیں کیا۔ اس نے بین الاقوامی عدالت برائے جوابی دعویٰ میں بھی حماس کے نام نہاد ظلم کو منکشف نہیں کیا۔ کتنے افراد نے بتایا کہ 7 اکتوبر کو ان کی آبرو ریزی کی گئی؟ کرنے والے شکل وصورت سے کون تھے؟ مرنے والوں میں سے آبرو سے محروم کیے جانے والے افراد یا عورتیں کتنی تھیں، کس عمر کی تھیں، ان کے بیانات کب اور کہاں لیے اور میڈیا کو کب فراہم کیے گئے؟ جن بچوں کو القسام بریگیڈ کے ارکان نے ذبح کیا، ان کی سربریدہ لاشیں، ان کی تفصیلات کیا تھیں اور وہ لاشیں کہاں ہیں؟ کتنے خاندان ایسے ہیں جن کو محض اطلاع ہی دی گئی کہ ان کی کتنی عورتوں کے ساتھ کیا ہوا، کیسے ہوا؟ کتنے لوگوں کو محض عینی شاہدین کے طور پر پیش کیا گیا۔ سول کمیشن نے ان سوالوں میں سے کسی ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔

جنوری 2025ء میں اسرائیلی پراسیکیوٹر نے اعتراف کیا کہ اس وقت تک اپنی شکایات جمع کرانے والوں کی تعداد صرف صفر تھی۔ اس کا سیدھا سا مطلب ہے کہ سول کمیشن کے پاس بھی، جھوٹا یا سچا، کوئی مواد یا کوئی اطلاع تک نہیں تھے۔ صرف یہ کہہ دیا گیا کہ معلومات کی نوعیت اس قدر سنگین تھی کہ ظاہر کرنا درست نہیں تھا۔ دوسری بات یہ کہی گئی کہ معلومات کی نوعیت ایسی تھی جن کو بیان ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ نکتہ عقل سے بالاتر ہی رہا کہ کمیشن نے تفصیلات کے لیے کتنے اور کہاں رابطے، انٹرویوز یا سروے ہی کیے۔ متاثرہ افراد میں سے کوئی بھی ان کے رابطے میں کیوں کر نہیں آیا جب کہ اسی بنیاد پر غزہ کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا گیا، 75 ہزار کے قریب انسان سفاکی اور بے دردی سے مار دیے گئے۔ ایک بچے کے ننھے سے جسم میں 36 گولیاں اتار دی گئیں۔

کمیشن نے اپنی رپورٹ میں جو کچھ دیا، وہ اجنبی اور بے نام افراد تھے۔ انہوں نے ان کے حوالے سے شدید جنسی تشدد کے الزامات لگائے گئے۔

کمیشن کے سامنے آ کر کوئی تصدیقی بات نہیں کہی۔ کسی نے نہیں بتایا کہ اس کے کتنے بچے گلے کاٹ کر ذبح کر دیے گئے، امریکی صدر جو بائیڈن نے بھی حماس کو ایک دہشت گرد تنظیم قرار دیا، بچوں کے ذبح کیے جانے کا ذکر کیا اور کہا کہ اسرائیل کو اپنے دفاع کا حق ہے۔

صرف ایک انٹیلی جنس اہلکار (مثال کے طور پر D نے کہا کہ وہ اجتماعی آبرو ریزی سے متاثر ہوا۔ اس کے دعوے اس کمیشن رپورٹ سے پہلے جولائی 2024ء میں میڈیا نے بیان کیے تھے۔ اس کے عبرانی زبان میں لکھے خط میں لکھا گیا ''ڈی لیٹ Delete'' کیا گیا۔ یہ تب ہوا جب اس نے ایک عدالت میں دعویٰ کیا کہ وہ متاثرہ فرد ہے اور اسے ایک کروڑ 3 لاکھ ڈالر معاوضہ دیا جائے۔ اس سے پہلے ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اس فرد کا انٹرویو لیا تھا۔ یہ مئی 2024ء میں لیا گیا۔ ایمنسٹی نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ اس کی بات تقریباً بے وزن اور کسی ثبوت سے خالی تھی۔

ان معلومات کو بنیاد بنا کر BBC' CNN ڈیلی میل، ڈیلی میل اینڈ گلوب سمیت مغربی میڈیا یا جھوٹ پھیلاتا رہا اور صہیونی دنیا جھوٹ کے اس سمندر میں ڈوب گئی۔

اسرائیلیات: حافظ عمر فاروق

حریدی یہودیوں کو لازمی فوجی سروس سے استثنیٰ

اسرائیلی پارلیمنٹ کینیست نے 54 کے مقابلے میں 58 ووٹوں سے ایک نیا قانون پاس کیا ہے۔ یہ ابھی ایک قرارداد کی صورت میں ہے۔ اس کے تحت حریدی (Haredi) یہودیوں کی گرفتاریاں اوران پر مقدمات کے اندراج کوروک دیا گیا ہے جولازمی فوجی خدمات سرانجام دینے کے خلاف ہیں۔ جب غزہ میں حالیہ جنگ میں اسرائیل کو ریزرو فوجیوں کی ضرورت پڑی توان حریدی یہودیوں نے انکارکردیا۔ اس پر ان کے 18 سال یا اس سے زیادہ عمر کے مردوں کی گرفتاریاں اور ان پر مقدمات درج کیے گئے۔ اسی دوران میں انہوں نے لازمی فوجی سروس کے خلاف احتجاجی مظاہرے شروع کردیے۔ ان مظاہروں میں شدت آئی تو ان کی گرفتاریاں کی گئیں۔ چند حریدی یہودیوں کو ایک مظاہرے سے گرفتار کیا گیا توان کی گرفتاریوں کے خلاف ایک پولیس اسٹیشن پر حملہ بول دیا گیا۔ صورت حال خراب ہونے پر ان کی کولازمی فوجی سروس سے فی الحال مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔

اس گروہ کے ارکان الٹرا قدامت پرست کہلاتے ہیں۔ یہ لازمی فوجی سروس ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اب ان کو لازمی سروس نہ کرنے پر گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ یہ قانون آخری مرحلے پر منظور کیا گیا ہے۔ اس سے ہزاروں کی تعداد میں ان کو لازمی فوجی سروس کے لیے طلب نہیں کیا جاسکے گا۔ یہ قانون جنوری 2027ء تک نافذ العمل رہے گا۔

جولائی کے شروع میں اسرائیلی قابض فوج کے چیف آف سٹاف لیفٹیننٹ جنرل ایار زمیر نے اس اقدام کے بارے میں کہا تھا کہ یہ ناقابل تصور صورت حال ہے۔ اس سے قابض فوجیوں کی تعداد میں درپیش مسائل میں اضافہ ہوگا۔ اس قانون سازی سے ایک طرف غلط روایت ڈالی جارہی ہے، دوسری طرف قابض فوج 72,000 کی افرادی قوت سے محروم ہوجائے گی جوجاری آپریشنز کے لیے درکار فوجیوں کی بھی پوری کرنے میں رکاوٹ پیدا کردے گی۔ قابض فوج بار بار حکومت سے مطالبہ کرتی آرہی ہے کہ فوری طور پر کم از کم 12,000 ریزروفوجیوں کی ضرورت ہے تاکہ دوسال سے مسلسل کارروائیوں میں شامل فوجیوں کو رخصت دی جاسکے۔ اب یہ معاملہ سنگین صورت حال کا سبب بنے گا۔

اس قانون کی منظوری کے بعد ہوپ ایم کے اور نائب وزیر خارجہ شیریں ہیکل نے اپنے عہدوں سے مستعفی ہونے کا اعلان کردیا ہے۔ اپوزیشن جماعتوں اور اہم این جی اوز نے معاملہ ہائی کورٹ آف جسٹس لے جانے کے لیے پٹیشن دائر کرنا شروع کردی ہیں، تاکہ اس قانون کو مسترد کرایا جاسکے۔ ان میں کہا گیا ہے کہ اس طرح ایک طبقے کو اس کے احتجاج کی وجہ سے قانون کے مروجہ طریقہ کار کو بدلنے کا موقع دیا گیا ہے اور 14 فیصد حریدی یہودیوں کو خوش کیا جارہا ہے۔ یہ برابری کے اصول کی نفی ہے۔ حریدی اسرائیلی یہودی آبادی کا 14 فیصد ہیں۔ ان کی پوری دنیا میں آبادی 17 فیصد ہے۔

پارلیمنٹ میں روٹ ایک طویل سٹینڈ آف کے بعد پاس کیا گیا۔ اس کی حمایت میں 58 اور مخالفت میں 54 ارکان تھے۔ یوں یہ صرف 4 ارکان کی معمولی اکثریت سے منظور کرلیا گیا۔ قانون کے حامیوں نے دھمکی دی ہے کہ عدالت نے کسی نوعیت کی مخالفت بھی کی تو اس کے نتائج کی ذمہ داری اور ملک گیر احتجاج کیا جائے گا۔

ارکان نے کہا ہے کہ اس طرح کی اکثریت اور طرز عمل سے فیصلے کیے جاتے رہے تو حکمران اتحاد کو دھچکہ پہنچے گا۔ پارلیمنٹ کے قانونی مشیر نے خبردار کیا ہے کہ اس طرح کے فیصلوں کی اہمیت باقی نہیں رہے گی۔ اس کے علاوہ ایک اہم فرانسپوٹیشن مطالبہ پر قانون سازی یا قرارداد لانے کی کوشش ناکام کردی گئی ہے۔ اس کی مخالفت بھی قدامت پسند یہودیوں نے کردی تھی۔

اس قانون کی منظوری کے لیے بعض قدامت پرست ارکان نے اپنی جماعتوں کے موقف کے برعکس اس کی منظوری میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان میں صہیونی رکن موشے سولومن، لیکوڈ پارٹی کے یولی اپالٹرسن ٹین، ڈان ایلوز نے بھی اپنی پارٹیوں سے ہٹ کر ووٹ دیا۔ یہ ارکان پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ انہیں بعض امور پر پارٹی سے اتفاق نہیں ہے، اس لیے وہ مستعفی ہوجائیں گے اور پارٹی چھوڑدیں گے۔

ہیرل نے بل کو مسترد کیا اور کہا کہ اس کے قانون بننے سے ان کو نقصان ہوگا جو فوجی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس سے سیکیورٹی کے مسائل پیدا ہوں گے۔ انہوں نے کہا اس قانون کی منظوری کے بعد پارلیمنٹ اور پارٹی دونوں چھوڑنے پر سنجیدگی سے غور کررہے ہیں۔

وزیراعظم نیتن یاہو نے کچھ دیر کے لیے بل پر بحث میں حصہ لیا۔ ان کے خلاف شیم شیم کے نعرے بلند ہوتے رہے۔ انہیں پارلیمنٹ کے خلاف ایک نعرے ''عار، عار'' کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ وزیردفاع نے بل کے قانون بننے کے حق میں ووٹ دیا۔ نیتن یاہو نے ووٹ میں حصہ نہیں لیا اور ووٹنگ کے وقت ایوان سے اٹھ کر چلے گئے۔ وزیر دفاع کاتز کے خلاف بھی شرم کرو کے نعرے لگائے گئے۔ نیتن یاہو کو غدار قرار دیا گیا۔ اپوزیشن ارکان ووٹ سے پہلے تک اس کی مخالفت کرتے رہے۔

اسرائیلی جیلوں میں فلسطینیوں پر تشدد، ریپ اور اجتماعی عصمت دری

اقوام متحدہ کے تفتیش کاروں نے تصدیق کی ہے کہ اسرائیلی جیلوں اور نظر بندی کیمپوں، مراکز میں فلسطینیوں پر جنسی حملے معلوم حد تک عام معاملہ ہے۔ ان میں ان کی عصمت دری اور کئی مواقع پر اجتماعی آبرو ریزی بھی کی جا رہی ہے۔ دوسری طرف حماس کے پاس اسرائیلی یرغمالیوں میں سے 7 اکتوبر سے پہلے یا بعد میں، کسی نے بھی یہ بیان بھی نہیں دیا کہ حماس کی قید میں ان سے جنسی زیادتی تو دور کی بات، ان سے برا سلوک بھی نہیں کیا گیا۔

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل آفس نے اپنی پہلی سالانہ رپورٹ جاری کر دی ہے جس میں سیکرٹری جنرل انتونیو گوٹریس نے خبردار کیا ہے کہ اسرائیل کے حراستی مراکز اور جیلوں میں جو کچھ فلسطینی قیدیوں اور نظر بندوں سے ہو رہا ہے، وہ مصدقہ جرائم کی مد میں آتا ہے۔

اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اقوام متحدہ نے جن فوجیوں اور پولیس اہلکاروں کو اس میں شامل کیا گیا ہے، وہ انسانیت کے خلاف اور جنگی جرائم میں بھی ملوث پائے گئے ہیں۔ ان کے خلاف واضح اور نا قابل تردید ثبوت موجود ہیں۔

اقوام متحدہ نے جنسی تشدد کو ان جیلوں اور حراستی مراکز کا مستقل وطیرہ قرار دیا ہے جو تصدیق کیا جا چکا ہے۔ نشانہ بنائے جانے والے فلسطینیوں کو غزہ اور مغربی کنارے سے فوج اور پولیس اغوا یا گرفتار کرتی ہے۔ پھر ان پر مختلف تفتیشی مراحل میں ریپ کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

ان واقعات میں سے 13 وہ ہیں جو 2025ء میں رونما ہوئے، ان میں سے مزید واقعات 2023ء اور 2024ء میں کیے ہیں، ان میں ریپ، آلات کے ذریعے ریپ، گینگ ریپ، جنسی اعضاء پر تشدد، ان اعضاء کا با قاعدہ نشانہ لے کر ان پر شوٹنگ، برہنہ کرنا، اسی حالت میں جسمانی تلاشی اور بغیر کسی بھی درجے میں معقول جواز کے بناء سب کچھ کیا جاتا ہے۔

یہ واقعات زیادہ تر نظر بندیوں اور دوران تفتیش رونما ہوتے ہیں۔ تاہم ان میں جیل اور حراستی مراکز سب مقامات پر ایسا سب کچھ روا رکھا جاتا ہے۔ اسرائیلی فوج برابر کی جرائم میں شریک کار ہوتی ہے۔ جیل حکام اور عملہ بھی یہ جرائم کرتے ہیں۔ جن مقامات پر ان جرائم کا با قاعدگی سے ارتکاب کیا جاتا ہے ان میں Ramla, Ofer,Megiddo , Hasharon, Shatta, Nafha, Damon,Sde Teiman اور Gush Etzion زیادہ بدنام ہیں۔

یہ جرائم زیادہ تر دوران حراست اور تفتیش رونما ہوتے ہیں۔ ان مقامات اور بعض کے دوران میں اقوام متحدہ کے مطابق اسرائیلی جیلیں اور پولیس اسٹیشنز پر زیادہ تشدد کے واقعات ہوتے ہیں۔ شام کا انسداد دہشت گردی کا مرکز بہت شدت کے لیے بدنام ہے۔ نشانہ بننے والوں میں اخبار نویس، انسانی حقوق کے کارکن اور فلاحی اداروں کے ارکان ہوتے ہیں۔

خواتین کو زیادہ تر ریپ کی پہلے دھمکی دی جاتی ہے۔ جب وہ ٹوٹنے سے انکار کر دیں تو ان کا ریپ کر دیا جاتا ہے۔ انہیں زبردستی برہنہ کیا جاتا ہے۔ نازک اعضاء کو بار بار چھیڑا جاتا ہے یا ان پر تشدد کیا جاتا ہے۔ ایسا بلا وجہ اور بلا جواز بھی کیا جاتا ہے۔

مردوں اور لڑکوں کا بھی ریپ کیا جاتا ہے، جنسی حملے کیے جاتے ہیں، اعضائے تولید پر مسلسل ضربات لگائی جاتی ہیں، رسی باندھ کر کھینچا جاتا ہے جس کی وجہ سے خون جاری ہو جاتا ہے، یہ مقامات سوجن زدہ ہو جاتے ہیں۔ طبی امداد سے بھی محروم رکھا جاتا ہے، جن کو رہائی مل بھی جائے، ان کی حالت بہت قابل رحم ہو چکی ہوتی ہے۔

رپورٹ میں لکھا گیا ہے کہ اسرائیل اپنی افواج اور جیل حکام کو کبھی بھی جواب دہی کے لیے طلب نہیں کرتا۔ اس لیے اس فوج اور اس کے اداروں کو جرم کرنے کی پختہ عادتیں پڑ چکی ہیں۔ صرف ایک بار 2024ء کے ان مجرموں کو 2025ء میں کٹہرے میں لایا گیا تھا لیکن سزا سنانے کے باوجود انہیں کھلا چھوڑ دیا گیا۔ پھر مارچ 2026ء میں ان کی سزائیں معاف کر دی گئیں جس کا با قاعدہ جشن منایا گیا۔

ویڈیو اور طبی شہادتوں کے باوجود الزامات واپس لے لیے گئے جب کہ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ قیدیوں کے جسموں کے اندر بلا امتیاز راڈ اور پائپ تک ڈالے گئے۔ ان کی چیخ و پکار سے جیل گونجتی رہی اور سب کھڑے قہقہے لگاتے اور ڈانس کرتے رہے۔

کسی اسرائیلی یرغمالی کو ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اسی مدت کی اسی رپورٹ میں انکشاف کیا گیا کہ کسی بھی اسرائیلی یرغمالی کے ساتھ اس طرح کا سلوک تو دور کی بات، انہیں مارا پیٹا نہیں گیا۔ سیکیورٹی کونسل میں پیش کی گئی گزشتہ سال کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے گوٹریس نے بتایا کہ حماس کے بجائے اسرائیل نے ان جرائم کا بار بار ارتکاب کیا۔

گزشتہ سال کی رپورٹ میں سیکرٹری جنرل نے بتایا کہ 2024ء کے شروع میں ایک مشن یا پامیلا پیٹن کی قیادت میں اسرائیل بھیجا گیا۔ اس نمائندہ خصوصی نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ”مشن کو واضح شہادت ملی کہ غزہ لے جائے گئے یرغمالیوں کے برعکس فلسطینیوں کے خلاف کھلے ثبوت ملے جب کہ غزہ میں یرغمالیوں کے بعض بیانات بالکل متضاد پائے گئے۔“

گوٹریس نے رپورٹ میں لکھا کہ اسرائیلی جیلوں میں قید فلسطینیوں پر ایک سے زیادہ نوعیت کے تشدد کے واقعات سامنے آئے۔ ان کے جسموں کے مختلف حصوں پر تشدد کیا گیا تھا۔ پامیلا نے الگ سے ایک رپورٹ بھی جمع کرائی جو مارچ 2024ء میں شائع کی گئی۔

گوتریس کی گزشتہ سال کی رپورٹ میں صرف ثبوت ملے اور کہا گیا کہ یہ رپورٹ واقعاتی شہادتوں پر مشتمل تھی کہ حماس کی قید سے رہا ہونے والے اسرائیلیوں نے کہا کہ ان پر کسی نوعیت کا کوئی تشدد نہیں کیا گیا۔ اقوام متحدہ کی جن رپورٹوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں فلسطینی قیدیوں سے ہونے والے سلوک کا جان بوجھ کر تفصیلی ذکر نہیں کیا گیا۔ گزشتہ ماہ جاری ہونے والی رپورٹ 300 صفحات پر محیط تھی۔

تجزیہ: مرزا محمد الیاس

ANTI-SEMITISM VS ZIONISM

دونوں نظریات ایک دوسرے کو باطل قرار دے رہے ہیں

یہودیوں کی ردسامیت (Antisimitism) کی کہانی اب اپنی وقعت سے محروم ہو چکی ہے۔ کبھی یہ صہیونیت کا اہم ترین نعرہ تھی، اس کا انکار کرنے والے جیل اور تعذیب و قتل کے مرتکب بتائے جاتے تھے۔ اب کوئی کھلے عام اسرائیل میں ردسامیت کی بات کرے تو شاید جرم قرار دیا جائے ورنہ اسرائیل اور یورپ و امریکہ کی حکومتیں ایسی بات کرنے والے کو فوری گرفتار یا نظر بند کر دیتی تھیں۔ یہاں ہم اس پر گفتگو کریں گے۔

پہلے کہا جاتا تھا کہ ردسامیت صہیونیت کی بنیاد کا حصہ ہے، اب اس میں یہ تبدیلی وقوع پذیر ہو رہی ہے کہ ردسامیت یورپی یہودیوں کے لیے اورینٹل معاملہ رہ گیا ہے۔ گویا اسلام پر تنقید کرنے والا یورپ اب یہودیت پر بھی ردسامیت کی بات کر رہا ہے۔ اب کہا جاتا ہے کہ یورپی یہودیوں کو مسیحیت کے ماننے والوں کے گرداب میں نہیں رہنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیل کو اب بھی اکثریتی مسیحی یورپ سے اسرائیل منتقل کرنے کے لیے یہودی مل رہے ہیں۔ یہ یہودی زیادہ تر مقبوضہ علاقوں میں ایک نئی نوآبادیاتی شناخت کے ساتھ لے جائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کا صفایا کرتے ہیں۔ مغربی کنارے، مقبوضہ بیت المقدس وغیرہ میں بسائے جاتے ہیں لیکن اسرائیل کے اندر ان کا وجود بھی بہ مشکل ملتا ہے۔ یہ ایک الگ شناخت رکھتے ہیں۔ معاہدہ بالفور تحریر کرنے والے برطانوی یہودی آرتھر بالفور نے بھی ان کو ایک (Separate People) قرار دے کر اسرائیل آنے پر آمادہ کیا تھا۔

یہودیوں میں پورے یورپ میں پروپیگنڈہ کیا گیا کہ وہ ردسامیت کے حامی پروٹسٹنٹ بنیاد پرستوں کے ساتھ نہ رہیں۔ انہی یہودیوں کو آرتھر بالفور نے ''الگ لوگ'' کہا تھا۔ صہیونیت کی تحریک نے اپنے آغاز سے ہی ردسامیت کے حامی یورپی سیاست دانوں کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا تھا۔ دوسری طرف صہیونی راہنماؤں نے حکومتوں سے بھی ایسا ہی اتحاد بنایا تھا۔ یہودیوں سے بار بار کہا گیا کہ وہ صہیونی ہیں۔ انہیں الگ قوم کی شکل میں خود کو ڈھالنا ہے اور ایک الگ وطن کے حصول کے لیے متحدہ ہونا ہے۔

جب 1948ء میں بنیادی طور پر برطانیہ کے تعاون سے انہوں نے اسرائیل بنا لیا۔ یہ سراسر صہیونیت کی سرپرستی میں بنایا گیا تھا۔ ان کا سربراہ ڈاکٹر تھیوڈر ہرزل تھا۔ لیکن یہ معاملہ اسرائیل کے قیام کے ساتھ مکمل نہیں ہوا۔ اس کے بعد ایک اور تحریک شروع کی گئی۔ اسرائیل کے لیے یہودیوں کو یورپ سمیت مختلف ممالک سے جمع کرنے کا کام شروع کیا گیا۔ اسرائیل میں آنے والے یہ آبادکار یہودی (Settler Jews) تھے۔ پہلے پہل ان کے لیے ایک الگ آبادکار یہودی کالونی بنانے کا کام ہوا۔ یہ کالونی اس بنیاد پر بنائی گئی کہ یہاں ردسامیت کے حامی یہودیوں کو لایا جائے گا۔ یہ ایک طرف صہیونیت کے نظریے ردسامیت کے لیے کام کریں گے۔ دوسری طرف انہوں نے اصرار کیا کہ صرف وہی صہیونی وہاں آبادکاری کریں گے جو ردسامیت کے حامی ہوں گے۔ سامیت اور اسرائیلی حکومت کا ساتھ دیں گے۔ ان میں جن کی اصل بنیاد یہودیت ہی ہوگی۔ یہ لوگ سختی سے ردسامیت کے حامی تھے۔ ردسامیت کے مخالف کو تقریباً مخالف قرار دیتے تھے۔ اس طرح اسرائیل میں ہر طرح کے یہودی جمع کرنے کا کام شروع کیا گیا۔ ایسا کرنا 1948ء سے پہلے تقریباً ناممکن تھا۔ اب وہاں لائے جانے والے یا تو یہودی تھے اور دوسرے صہیونی تھے۔

اس کے بعد یہودیوں نے ایک بڑی آبادکار کالونی قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے خدوخال برطانیہ نے طے کیے تھے۔ انہوں نے نئی آبادکار کالونی کو اسرائیل کا نام دیا گیا جو فلسطین کے اندر قائم کی جا رہی تھی۔ یہ یہودی خود کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے پیروکار قرار دیتے تھے۔ یا پھر یہ کٹر بنیاد پرست یہودی تھے۔ اگر ہم یہودیوں میں سیاسی تقسیم کو سامنے رکھیں تو اجتماعی طور پر یہ سامی النسل (Semite) نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ جب ان کے ساتھ ہٹلر نے کام کیا یا ان کو دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ نسل دھرتی کا بوجھ ہیں۔ کسی دوسرے کو انسان نہیں سمجھتے بل کہ حیوان بے نطق قرار دیتے ہیں۔ اس نے ہولوکاسٹ کیا اور انہیں کہنے کا موقع مل گیا کہ اس نے 60 ہزار یا 60 لاکھ یہودی گیس چیمبرز میں مار دیے۔ ان کی کچھ تعداد کو جرمنی سے بھگا دیا اور یہ دنیا بھر کے ممالک میں منتشر ہو گئے۔ جب بالخصوص یورپ میں ان کے خاندان پہنچے تو وہاں پروٹسٹنٹ عیسائی ان سے کہیں زیادہ تعداد میں تھے اور ان سے نفرت کرتے تھے۔ یہ عیسائی بنیاد پرست تھے۔ سیاسی اعتبار سے یہ مسیحی صہیونی تھے۔ جب مقدونیہ، البانیہ، یوگوسلاویہ میں سیاسی اکھاڑ بچھاڑ ہوئی تو ان کی درج ذیل تقسیم کھل گئی۔

۔۔ وہ مسیحی جو کیتھولک تھے اور کم تشدد پسند یورپی تھے۔

۔۔ وہ مسیحی جو پروٹسٹنٹ تھے اور زار روس سے تعلق رکھتے تھے، انتہا پسند، متشدد اور اسلام دشمن تھے۔

یورپی یہودی اسی دوسری کلاس میں سے تھے۔ خود کو پروٹسٹنٹ مسیحیوں میں غیر محفوظ اور اجنبی خیال کرتے تھے۔ انہیں یہودیوں کی مدد سے اسرائیل میں فلسطینی اکثریت کو ختم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ ہر حربہ جائز قرار پایا۔

ایک یہودی وہ تھے جو پہلے سے ایک محدود ترین اقلیت میں تھے۔ یہ صہیونی نہیں بل کہ یہودی تھے۔ انہیں میں سامیت کے شدید پیروکار تھے۔ ان کے ساتھ یورپ سے لائے جانے والے یہودی، جواشک نازی کہلاتے تھے۔

ان میں اسرائیل کے قیام میں جس تحریک کو برطانیہ نے سب سے پہلے سرپرستی دی، وہ صہیونیت کی تحریک تھی۔ یہ ایک تشدد سے کام لینے والی تحریک تھی۔ جب ہٹلر نے ان کو کچل دیا تو یہ بات کہی جانے لگی کہ یہ سامی نسل سے نفرت اور خاتمے کی بات ہے۔ چناں چہ مخالفین کو ردسامیت کے حمایتی یا سامیت سے نفرت کرنے والے قرار دیا گیا اور ان کے اس عمل کو Anti-Semite اور اس نعرے کو Anti Semitism کہا گیا۔ اب صہیونیت کے پاس فقط دو نعروں کا سرمایہ تھا۔ ایک ہالوکاسٹ اور دوسرا ردسامیت۔

یہ ایک اور تحریک کی بنیاد بنائے گئے۔ صہیونیت کی مخالفت کرنے والوں کو ہولوکاسٹ اور ردسامیت کے مخالف اس بنیاد پر صہیونیت کو یورپی ممالک میں متعارف کرایا گیا۔ اس تعارف کو برطانیہ، فرانس، جرمنی، روس اور امریکہ نے پروان چڑھایا۔ یہ ممالک مختلف مسالک کے مسیحی تھے۔ ان میں روس قدامت پرست مسیحی تھا جس کے نمائندے سابقہ یوگوسلاویہ میں سربیا کی صورت میں سامنے آئے۔ ان کی قیادت سلوبودان میلاسووچ اور رادووان کراوزچ کررہے تھے۔ یہ سب کوئی مانے یا نہ مانے، صہیونی بھی تھے۔ چناں چہ صہیونیت کی تحریک کے حامی تھے۔ بوسنیا کی شکل میں یورپ کے قلب میں بوسنیا ہرزی گوینا اور البانیہ دو مسلم ریاستیں بن رہی تھیں۔ یورپ کے صہیونی مسیحیوں نے سربرینیکا اور دوسرے بوسنیائی شہروں میں وہی کچھ کیا جواب صہیونی یہودیوں نے غزہ میں کیا۔

ایران کے اسرائیل کی جارحیت، ڈونلڈ ٹرمپ کی حماقتوں اور ان دونوں بہ ظاہر فوجی پہلوانوں کا خیال تھا کہ بس ایران بھی جلد عراق بنا دیا جائے گا۔ اس کے لیے عراق کردوں کو بہت بڑی تعداد میں مسلح بھی کیا گیا لیکن یہ دونوں پہلوانوں کو ایران نے چاروں شانے چت ہی نہیں کر دیا بل کہ ان کو مشرق وسطیٰ سے مکمل صاف کر دیا۔ ایران ابتدا میں اکیلا لڑا۔ اس کی کامیابیوں نے چین اور روس میں اس سیاسی سوچ کو آگے بڑھایا کہ امریکہ اب مکمل شکست ہی نہیں دی جاسکتی بل کہ فوجی اعتبار سے ابتدائی طور پر تباہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ گویا

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

ادھر اسرائیل کے ساتھ اس سے بھی ایران نے براسلوک کیا۔ اس کے شہروں کو ادھیڑ کر رکھ دیا گیا۔ تل ابیب اور حائفہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔

موجودہ یوکرائن اور روس جنگ کا ایک بڑا پس منظر مذہبی بھی ہے۔ روس زیادہ تر قدامت پرست مسیحیت کا ملک ہے۔ یہ شدت پسند مسیحی ہیں۔ یوکرائن میں اب بھی چار لاکھ کے قریب سخت گیر یہودی ہیں۔ یوکرائن پہلے سوویت روس کا حصہ تھا۔ اس لیے یہاں قدامت پرست مسیحی آباد ہیں۔ زیادہ تر یہودی آباد کار یہیں سے اسرائیل لے جائے جاتے ہیں۔ اسرائیل بنیادی طور پر یوکرائن سے زیادہ تر وجود میں لایا گیا ہے۔ اب دنیا میں سامیت یعنی یہود سے نفرت Anti Simite رواج پانے لگی ہے اور سامیت (Antisemitism) کو بھی قاتل نظریہ سمجھا جانے لگا ہے۔ ہولوکاسٹ تو کب سے باطل ثابت ہو رہا ہے۔ 60 ہزار، 60 لاکھ کے بجائے ہولوکاسٹ کی بعداد 20 ہزار سے بھی کم ہوتی جارہی ہے۔ اب اسرائیل کی عمارت اپنی بنیادی فکر سے دور اور غزہ میں نسل کشی کے بعد اپنے اس جواز سے محروم ہو رہی ہے جو چند یورپی ملکوں بہ شمول امریکہ نے فراہم کیا تھا۔

خود اہل یہود کی رپورٹ کے مطابق صرف امریکہ میں صہیونیت اور یہودیت مخالف حملوں میں سالانہ 60 فیصد سے زیادہ جرائم ہو رہے ہیں۔ اب تک رپورٹ ہونے والے امریکہ میں جرائم کی تعداد 6 ہزار سالانہ ہے۔ ظہران محمود ممدانی نے نیویارک سے ان کا جنازہ اٹھوا دیا ہے۔ گویا حکومتوں سے ہٹ کر اور خود امریکہ میں بڑی تعداد میں بولنے لگے ہیں۔ ڈونلڈ ٹرمپ کی حماقتوں، وعدہ خلافیوں اور عہد شکن پالیسیوں نے امریکی صدارت کو گہن لگا دیا ہے۔

یورپی یونین کی رپورٹ کے مطابق رکن 24 ممالک میں اس نعرے یعنی سامیت پرستی اور اس سے خوف میں کمی نے عام یورپی کو حوصلہ دیا ہے کہ وہ صہیونیت کے غزہ اقدامات کے ساتھ لاکھوں کی تعداد میں سڑکوں پر نکلے۔ اب ردسامیت عام ہوگئی ہے۔ ورنہ 1990ء کے عشرے تک مخالف بات کو جرم قرار دیا جاتا رہا۔ اب یہ صورت حال نہیں ہے۔

نیویارک ٹائمز نے 14 جون 2025ء کو رپورٹ شائع کی کہ ردسامیت اب مسئلہ بنتی جارہی ہے۔ ردسامیت کی اپنی ویب سائٹ antisemitism-action-alan کی یونیورسٹی آف پنسلوانیا سے چلائی جاتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ لبرل ازم خواہ فرانسیسی ہو یا امریکی، اس نے مذہب کو ہر فرد کا ذاتی مسئلہ بنا دیا ہے۔ اس سے ردسامیت بھی نجی مسئلہ بن کے رہ گئی ہے۔

خود اسرائیل کے خلاف سپین نے باقاعدہ اقدامات کیے۔ اس وقت تو حد ہوگئی جب اٹلی کی خاتون وزیراعظم جارجیا میلونی نے اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو کے چہرے پر اقوام متحدہ کے بھرے اجلاس میں زوردار تھپڑ جڑ دیا۔ اسے قاتل اور Genocide کا مجرم کہا۔ جب امریکہ جانے کے لیے نیتن یاہو نے فضائی سفر براستہ ترکی کرنا چاہا تو اسے پیغام دیا گیا کہ ہماری فضا میں طیارہ آیا تو نیچے اتار لیا جائے گا اور نیتن یاہو کو گرفتار کرلیا جائے گا۔

ابتدا میں طے ہوا تھا کہ فلسطین کے اندر یہودی بستیاں نہیں بنائی جائیں گی بل کہ اسرائیل دنیا بھر کے یہودیوں کے لیے ہوگا۔ اس کا دوسرا معنی یہ تھا کہ فلسطینی نکال دیے جائیں گے۔ شاید یہ بات بہت سوں کو عجیب یا غلط لگے لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہودی خود کے سوا کسی کو انسان نہیں سمجھتے۔ اسی لیے امریکی سابق سیکرٹری خارجہ انتھونی بلنکن اور کسی حد تک سابق صدر جو بائیڈن سے کہا جاتا تھا کہ غزہ میں سینکڑوں ہزاروں فلسطینی مارے جارہے ہیں تو وہ بڑے آرام سے کہتے تھے:

These are Statistics only

گویا کہ یہ انسان نہیں، محض اعداد و شمار ہیں۔ یہ بھی ایک وجہ رہی ہوگی کہ یہودی یورپی ممالک میں خود کو محفوظ نہیں قرار دیتے اور صاف کہتے ہیں کہ وہ حیوانوں میں یا انسان نما درندوں میں رہتے ہیں۔ نیتن یاہو بھی یہی کہتا ہے کہ ہم انسان نہیں ماررہے، ہم انسان نما حیوان یا درندے ماررہے ہیں۔

اسرائیلی لیڈروں نے ہمیشہ اصرار کے ساتھ کہا اور اب بھی کہتے ہیں کہ وہ یہودی کالونیاں بنانا نہیں روکیں گے۔ یہی صہیونی کہتے رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک دنیا میں ایک بھی یہودی، جو نسل کے اعتبار سے یہودی ہو، اسے اسرائیل سے باہر نہیں رہنے دیں گے۔ اسرائیل کو خالص یہودی ریاست بنانے تک وہ فلسطینیوں کو مارتے رہیں گے۔ کیوں کہ اس کے علاوہ ان یہودیوں کی ''آزادی'' مکمل ہی نہیں ہوگی۔

اسرائیل نے یہ بھی اصرار کے ساتھ کہا کہ وہ اس یہودی ریاست کو صرف صہیونیت کی تحریک کے کہنے پر ہی یہودی ریاست نہیں بنارہے۔ اس کی غیر صہیونی یہودیوں نے ہمیشہ مخالفت کی اور کہا کہ وہ خود بھی اسرائیل کو یہودی ریاست بنا کے رہیں گے۔

اسرائیل ان یہودیوں کو سہولتیں فراہم کرتا ہے جن کو وہ فلسطینی سرزمین پر بننے والی کالونی میں جگہ نہیں دے سکا۔ اسی بنیاد پر وہ ہر اس فرد کو ''ردسامیت کا حمایتی'' قرار دیتے ہیں جو

یہودیوں کی اس طرح کی آبادکاری کا مخالف ہے۔اس طرح اسرائیل یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہر یہودی کا پسندیدہ اور حقیقی ملک ہے۔جو مخالفت کرے گا وہ ردِسامیت کا مرتکب ہوگا اور اسے مارنا جائز ہوگا۔

تمام یورپی اقوام اور امریکہ نے اس امر کی مخالفت کی تھی کہ نازی جرمنی سے فرار ہونے والے یہودیوں کو اس کی اجازت دی جائے کہ وہ ان ممالک کا رخ کریں۔اس کے بجائے ان سب نے یہودیوں کو نئی اسرائیلی یہودی ریاست میں جانے پر آمادہ اور مجبور کیا تھا۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی اور طرف جائیں۔اس طرح انہوں نے ہزاروں لاکھوں یہودیوں کو اپنے ملکوں میں آنے سے روک دیا تھا اور انہیں دوسری جنگ عظیم کے پناہ گزین قرار دینے کا راستہ اختیار کرنے نہیں دیا۔وہ ان کی کسی قسم کی ذمہ داری اٹھانے پر آمادہ نہیں تھے۔

یہ اقدام صہیونی اور غیرصہیونی یہودی، سب کے لیے لازمی قرار پایا تھا۔حتیٰ کہ بعض صہیونیت کے حامی لیکن غیرصہیونی یہودیوں کو امریکہ اور یورپ میں آنے دیا تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ ان یہودیوں کا اصرار تھا کہ صہیونیت نے یہودیوں کو مسلح کرنا شروع کردیا تھا اور ان کے جتھے اور گروہ بنانے شروع کردیے تھے۔تاکہ یہ یہودی سامیت کو رد کرنے والوں سے لڑیں خواہ وہ یہودی ہی کیوں نہ ہوں۔

امریکہ کے یہودی راہنماؤں کو خاص طور پر اس بارے میں گہری تشویش تھی کہ وہ بیک وقت امریکہ اور اسرائیل کے دوہرے وفادار نہیں رہیں گے۔1950ء میں امریکی جیوش کمیٹی کے صدر جیکب پلاسٹین نے اسرائیل کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کے تحت امریکہ جانے والے یہودیوں کے لیے جلاوطن ہونے کا نہیں بل کہ ان کا ایک diaspora ہوگا۔اسرائیل اس وقت ایسے یہودیوں کی پناہ گاہ اور نہ ان کا جزیرہ ہوگا۔اسرائیل ایسے یہودیوں کے لیے مہاجر کی دنیا نہیں ہوگا۔جیکب کے معاہدے میں یہ بھی شامل تھا کہ اگر امریکہ غیرجمہوری ملک بھی بن جائے گا اور یہودیوں کو ایسے ملک جانا پڑے گا۔جہاں انہیں موت کا خوف ہوگا تو ایسا ملک، اسرائیلی دعوؤں کے برعکس یہودیوں کے لیے محفوظ تصور نہیں ہوگا۔

امریکہ میں یہودیوں کے لیڈر ڈیوڈ بن گوریان کے دباؤ پر قرار دیا گیا کہ امریکہ میں یہودیوں کو مکمل شہری درجہ قانونی طور پر دیا جائے گا اور وہ اسی کے وفادار رہیں گے۔وہ اسرائیل کے کسی بھی طرح شہری نہیں ہوں گے۔

امریکی جیوش کمیٹی اور امریکہ میں یہ بھی طے پایا کہ یہودی امریکہ کے وفادار رہیں گے اور اس کا عہد کریں گے۔جن یہودیوں نے کہا کہ وہ ایلیاء کے ساتھ رہیں گے، ان کی ضرورت کا اعتراف کیا گیا۔ان کو گرم جوشی سے خوش آمدید کہا گیا۔اس سے ہٹ کر امریکہ میں رہنے والوں کا درجہ جلاوطن کا نہیں رکھا گیا۔امریکہ اور اسرائیل دونوں ان کی طرف سے نمائندگی نہیں کریں گے۔

اسرائیلیوں نے بن گوریان کی مندرجہ بالا پوزیشن کو زیادہ عرصہ برقرار نہ رکھا۔1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد اسرائیل نے دنیا بھر کے یہودیوں سے کہا کہ عرب ممالک کے بارے میں اس کی پالیسیوں کی وہ حمایت کا اعلان کریں۔اگر وہ ان باتوں پر عمل کرنے میں ناکام رہیں تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ صحیح یہودی نہیں ہیں۔اس مؤقف کا باقاعدہ اعلان جنوبی افریقہ کے وزیرخارجہ ابا ایبان (Abba Eban) سے کرایا گیا۔

1972ء میں اسرائیل نے ایک کانفرنس کرائی جس کی مدد امریکن جیوش کانگریس نے کی تھی۔وہاں ایبان نے نئی حکمت عملی کے خدوخال پیش کیے اور کہا کہ اب کسی غلطی یا کوتاہی کی گنجائش نہیں ہوسکتی وہاں ردِسامیت اور صہیونیت کو رد کرنے والے کو معاف نہ کرنے کا عہد کیا گیا۔اس کا باقاعدہ فارمولا تیار کیا گیا۔یہ فارمولا سرکاری یہودی اسرائیلی پالیسی قرار دیا گیا۔اس کا اطلاق نہ صرف اسرائیل بل کہ پوری مغربی دنیا پر لازمی قرار دیا گیا۔تنقید کرنے والوں کو سامیت دشمن قرار دیا گیا خواہ وہ یہودی کیوں نہ ہوں۔ایبان نے امریکہ کے دونا مور نقادوں نوام چومسکی اور آئی ایف مسٹون کے بارے میں کہا کہ وہ یہودی بقاء پر ذہن سے بھٹکے ہوئے ہیں۔وہ ان پر یہودیوں کے نوآبادیاتی اور نسل پرستی کے خیالات پر تنقید کرتے تھے۔ایبان کہتا تھا کہ دونوں اپنے یہودی نظریات کے ہی مخالف ہیں۔ان دونوں کو ایبان صہیونیت دشمن اور ردِسامیت کے حامی قرار دیتے تھے۔آج ایبان کا ان دونوں کو سامیت یعنی یہودیت کے حامی قرار دیتے تھے۔آج ایبان کا ان دونوں کو سامیت یعنی یہودی سے بھی خارج کردینا تاریخ ہضم نہیں کرپائی۔

اسرائیل کے حامی ان کالج اور یونیورسٹی سطح کے پروفیسروں کو بھی برا بھلا کہتے رہے جو کہتے تھے کہ اسرائیل کی بنیاد جھوٹ اور نفرت پر رکھی گئی ہے۔وہ انہیں ردِسامیت کا مجرم قرار دیتے تھے۔کچھ پروفیسرز کہتے تھے کہ بہت سے یہودی ایسے ہیں جو خود اپنے یہودی ہونے سے سخت نفرت کرتے تھے۔بعض تو یہودیت ترک بھی کرگئے جب کہ کسی کو غیر یہودی ہونے یا کہلانے کی جرأت نہ ہوا کرتی تھی۔یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایسا کرکے وہ ردِسامیت کو ہی مضبوط بناتے جائیں گے۔ان میں سے بہت سے ایسے بھی ہیں جو کہنے کو یہودی ہیں لیکن حماس کی BDS یعنی Boycott, Divestment اسرائیل پر پابندیوں Sanctions کی وکالت کرتے نظر آتے ہیں۔

ایسے ربی یا یہودی عالم، جو خود کو اسرائیلی پالیسیوں پر تنقید سے روک نہیں پاتے، انہیں ”خود سے نفرت کرنے والے ربی“ قرار دیا جاتا ہے: ان میں امریکی وائٹ ہاؤس کے مددگار بھی شامل ہیں جو اسرائیل کے زبردست حامی ہونے کے باوجود نیتن یاہو خود سے نفرت کرنے والے یہودی قرار دیتا ہے کہ یہ وہ یہودی ہیں جو یاہو کو بار بار کہتے ہیں کہ وہ عرب مقبوضات میں یہودی کالونیاں بنانا بند کردیں۔وائٹ ہاؤس میں ڈینیل جے ایلازار جیسے یہودی بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ اسرائیل کو خالص سامی بنیادوں پر رہنا چاہیے یعنی نوآبادیات قائم کرنا اس کا نظریہ اور بنیاد ہے۔

کس طرح سے کہا جائے کہ فلاں قدر یا خیال یہودیت کا ہے اور اس کے مطابق ہی پالیسیاں بنائی جائیں۔دوسری بات ہے کہ ان پالیسیوں کے تحت اقدامات کیے جائیں۔اگرچہ اب اسرائیلی اور اسرائیل حامی دعوے بڑے پیمانے پر کیے جارہے ہیں، ان کو امریکی جیوش کونسل سے بالا بالا ہی نافذ بھی کردیا جاتا ہے۔ڈونلڈ ٹرمپ کی حمایت اس لیے بھی زیادہ کی جاتی ہے کیوں کہ وہ زبانی کلامی بھی اسرائیل پر کوئی تنقید کرنا گناہ سمجھتا ہے۔اسرائیل کے کہنے پر وہ ایران سے جنگ کررہا ہے۔یہی حال جے ڈی وینس نائب صدر کا ہے۔

امریکہ کا یہودی اب خود کو اسرائیل سے فاصلے پر رکھ رہا ہے۔اب وہ یہ ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہے کہ صہیونیت کی مخالفت۔سامیت کی مخالفت ہے۔یہ سلسلہ اب یورپی یونین کے ملکوں تک پھیل رہا ہے۔وہ صہیونیت کی مخالفت کرنے لگے ہیں۔غزہ کے اثرات ظاہر ہو رہے ہیں۔آئندہ دنوں مہینوں میں اسرائیل کی تنہائی مزید گہری ہوتی جائے گی۔

AntiSemitic فارمولا اب امریکی حکومت اور ٹرمپ کی کانگریس بھی پالیسی کے طور پر اختیار کررہے ہیں۔اب یورپی اور برطانوی حکام بھی فرق کرنے لگے ہیں کہ صہیونیت اور ردِسامیت دو الگ نظریات ہیں۔حال ہی میں یونیورسٹیوں پر دباؤ ڈالا جارہا ہے کہ اسرائیل کے صہیونی نظریات کی بھی پابندی کریں۔اب تو وہاں سے ردِسامیت Anti Semitism کی آوازیں اٹھنے لگی ہیں۔

تاریخ دانی: محمد زاہد (قسط 2)

تاریخِ مسجد اقصیٰ: تقدس، عظمت اور تاریخی ارتقاء

مسجدِ اقصیٰ مسلمانوں کا قبلۂ اول، مکہ و مدینہ کے بعد تیسرا مقدس ترین مقام اور تاریخِ انسانی کا ایک عظیم ترین مرکز ہے۔ یہ صرف ایک عمارت کا نام نہیں بل کہ یہ صدیوں پرانی تہذیب، انبیاء کی سرزمین اور اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

امام طاہر بن عاشور فرماتے ہیں: ''بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سرزمینِ شام سے گزرے اور اللہ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ ان کی اولاد اس زمین کی وارث بنے گی، تو اللہ نے انہیں وہ جگہ دکھائی جہاں ان کی اولاد وہ عظیم الشان مسجد تعمیر کرے گی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے کے طور پر وہاں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کی، اور اسے اس چٹان پر بنایا جو قربانی پیش کرنے کے لیے مخصوص تھی۔ یہی وہ چٹان ہے جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد تعمیر کی۔ لیکن چونکہ اس زمانے کے لوگ مشرک تھے، اس لیے وہ عمارت نظر انداز کر دی گئی اور مٹ گئی، یہاں تک کہ اللہ نے سلیمان علیہ السلام کی رہنمائی فرمائی کہ وہ اس پر مسجدِ اقصیٰ تعمیر کریں۔ یہ وہ علم ہے جسے یہودی کتابیں نظر انداز کرتی ہیں اور اس کا ذکر نہیں کرتیں۔'' [التحریر والتنویر]

حضرت ابراہیم علیہ السلام واپسی پر فلسطین کے اس مقام پر مقیم ہوئے جو آج ان ہی کے نام سے منسوب ہے: یعنی الخلیل (Hebron)۔ روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے ساتھ مل کر مسجدِ اقصیٰ تعمیر کی۔ اسے 'بیت ایل' کے نام سے جانا گیا (جس کا عبرانی میں مطلب ہے 'اللہ کا گھر')۔ اس مسجد کی دیکھ بھال اور مرمت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے کی۔

آگے بڑھنے سے پہلے اصطلاحات کی وضاحت ضروری ہے۔ 'یہودی' اور 'عیسائی' کی اصطلاحات کو درست تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ بطور مسلمان، ہمارا ایمان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار مسلمان تھے جنہیں بالترتیب تورات اور انجیل دی گئی تھی۔ وہ اس معنی میں یہودی یا عیسائی نہیں تھے۔ اللہ نے 'بائبل' نامی کوئی چیز نازل نہیں فرمائی تھی۔ یہ سب چیزیں بعد میں اس وقت وجود میں آئیں جب ان قوموں نے اپنے انبیاء کی تعلیمات میں تحریف کی اور ان سے انحراف کیا۔ مزید یہ کہ وقت گزرنے کے ساتھ جو یہودی مذہب پروان چڑھا، وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تک محدود تھا۔ جس طرح مکہ میں بت پرستی کے دور میں بھی 'حنیف' (موحد) موجود تھے، اسی طرح یہودی مذہب کے ظہور کے دوران بھی ایسے موحدین موجود تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات پر قائم رہے۔

نام 'یعقوب' عبرانی زبان میں اللہ کے دانا یا صالح بندے کے معنی میں آتا ہے، گویا یہ عربی کے نام 'عبداللہ' کے مترادف ہے۔ جبکہ 'اسرائیل' کا مطلب 'خدا کا آدمی' یا 'وہ طاقت جو خدا کے تابع ہو' کے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ (12) بیٹے تھے اور یہ حقیقت قرآن کریم سے بھی ثابت ہے۔ روایات کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلے اپنے ماموں کی صاحبزادی 'لیا' سے نکاح کیا جن سے وقت کے ساتھ ساتھ ان کے سات بیٹے پیدا

ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ماموں کی چھوٹی صاحبزادی 'راحیل' سے نکاح کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور بن یامین، راحیل کے بطن سے تھے۔

روایت ہے کہ ان کے ماموں نے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کیا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سات سال تک ان کی بھیڑیں چرائیں گے۔ یہ بات نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے عین مطابق ہے کہ:

''اللہ نے کوئی ایسا نبی نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔'' [بخاری]۔

آپ علیہ السلام نے تقریباً بیس سال تک بھیڑوں کی گلہ بانی کی۔

ان دونوں صاحبزادیوں کو ان کے خاندان کی طرف سے ایک ایک لونڈی تحفے میں دی گئی تھی، جو انہوں نے آگے اپنے شوہر (حضرت یعقوب علیہ السلام) کو ہبہ کر دیں۔ راحیل کی لونڈی کے بطن سے ایک بیٹا اور لیا کی لونڈی کے بطن سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے سے لے کر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے وقت تک اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء مبعوث فرمائے، وہ سب حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد یعنی بنی اسرائیل میں سے تھے۔

حضرت آدمؑ سے حضرت یوشعؑ تک

علماء کے درمیان اس بات پر اختلاف ہے کہ مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ کی بنیاد رکھنے والا پہلا شخص کون تھا۔ اس اختلاف میں اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ ممکن ہے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے ساتھ مل کر دونوں مساجد کی بنیاد رکھی ہو، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ شخصیت تھے جنہوں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ مل کر ان عبادت گاہوں کی باقاعدہ تعمیر کی۔ اختلاف سے قطع نظر، یہ بات واضح ہے کہ یہ زمینیں انسان کی پیدائش کے آغاز سے ہی بابرکت قرار دی گئی تھیں اور اسلام میں ایک خاص مقام رکھتی تھیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب میں مقیم ہوئے جبکہ حضرت اسحاق علیہ السلام نے فلسطین میں رہنا جاری رکھا۔ ان کے صاحبزادے حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے رہے اور مسجدِ اقصیٰ کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے دھوکہ دیا اور انہیں ناحق مصر میں غلام کے طور پر بیچ دیا گیا۔ بالآخر حضرت یوسف علیہ السلام رہا ہوئے اور انہیں مصر میں قیادت کا مقام ملا۔

کہا جاتا ہے کہ جب کسی سے آج کے فلسطین کی حالت بیان کرنے کو کہا گیا تو انہوں نے کہا:

''فلسطین میں حضرت یوسفؑ کا حسن ہے، حضرت یعقوبؑ کا غم ہے اور اس میں ویسا ہی دھوکہ (محسوس ہوتا) ہے جیسا حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا تھا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا اور اپنے خاندان کو مصر میں اپنے پاس بلوا لیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب بنی اسرائیل کو اقتدار اور قوت حاصل ہوئی۔

روایت ہے کہ ان کا پورا خاندان غربت سے بچنے کے لیے مصر منتقل ہو گیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے کوئی بھی وہاں پیچھے نہ رہا جو مسجدِ اقصیٰ کی دیکھ بھال کر سکے۔ روانگی سے قبل، مسجدِ اقصیٰ کی ذمہ داری وہاں کی مقامی آبادی (فلسطینیوں) کے سپرد کر دی گئی جو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح مسلمان تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دی ہوئی توحید کی خالص تعلیمات پر قائم تھے۔

بنی اسرائیل بہتر زندگی کی تلاش میں اپنی مرضی سے ہجرت کر کے مصر گئے۔ روایات کے مطابق وہ وہاں تقریباً چار صدیوں تک رہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ انہوں نے اللہ کے احکامات کی نافرمانی شروع کر دی، جس کی وجہ سے وہ ذلیل و خوار ہوئے اور مصریوں کے غلام بن گئے۔ اس وقت فرعونوں نے مصر پر قبضہ کر رکھا تھا اور وہ وہاں حکومت کرتے تھے۔ ایک فرعون نے خواب دیکھا کہ بنی اسرائیل کا ایک بچہ اس کی سلطنت کو تباہ کر دے گا۔ اپنی بادشاہت بچانے کے لیے اس نے (بنی اسرائیل کے) تمام نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔

غلامی اور ظلم کا یہ دور اس وقت ختم ہوا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا گیا۔ اللہ کی تدبیر کی خوبصورتی دیکھیے کہ جس لڑکے کو فرعون قتل کرنا چاہتا تھا، اسی کی پرورش خود فرعون کے گھر میں ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو للکارا اور بالآخر بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے وہ معجزہ دیکھا جب اللہ نے ان کے لیے سمندر کو چیر دیا (جب موت ان کے بالکل سامنے تھی) اور ان کے سب سے بڑے دشمن اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا۔

انہیں سمندر پار اس ''سرزمینِ موعود'' (ارضِ مقدسہ) تک پہنچا دیا گیا۔ جب اللہ نے انہیں فلسطین میں داخل ہونے اور وہاں قابض کنعانیوں سے شہر کا کنٹرول حاصل کرنے کا حکم دیا، تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کھلی بزدلی دکھائی۔ اس سرکشی پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور انہیں 40 سال کے لیے صحرائے سینا اور 'تیہ' کے بیابانوں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''انہوں نے کہا: اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں، ہم وہاں ہرگز داخل نہیں ہوں گے۔ پس آپ اور آپ کا رب جائیے اور دونوں لڑیئے، ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔'' [سورہ المائدہ: 24]

اس کا موازنہ اس جواب سے کریں جو نبی کریم ﷺ کو ان کے صحابہ سے ملا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر جب آپ ﷺ نے مسلمانوں سے جنگ کے بارے میں مشورہ کیا، تو انصار نے کہا: ''اے انصار! نبی ﷺ آپ کی رائے سننا چاہتے ہیں۔'' انہوں نے عرض کیا:

''ہم آپ سے وہ بات ہرگز نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کہی تھی کہ 'آپ اور آپ کا رب جا کر لڑیں، ہم یہیں بیٹھے ہیں' بلکہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! اگر آپ ہمیں 'برک الغماد' (مکہ کے قریب ایک دور افتادہ مقام) تک بھی لے جائیں گے تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔'' [احمد]

صحابہ کرام نے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا اور اپنے نبی ﷺ کی پیروی کی، بالکل اسی طرح جیسے بنی اسرائیل نے (آغاز میں) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی تھی۔ لیکن ان دونوں گروہوں کے درمیان کامیابی اور تباہی کا فرق صرف اپنے نبی کے حکم پر ثابت قدمی اور اطاعت کا تھا۔ وقت بدل سکتا ہے، لوگ بدل سکتے ہیں، وقت کے فرعون بدل سکتے ہیں، لیکن اللہ کی طاقت اور اس کی حکمرانی ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ اگر توکل (اللہ پر کامل بھروسہ) بحیرہ احمر کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتا ہے، تو اس کے سامنے ہمارے مسائل کی کیا حیثیت ہے؟

(جاری ہے)

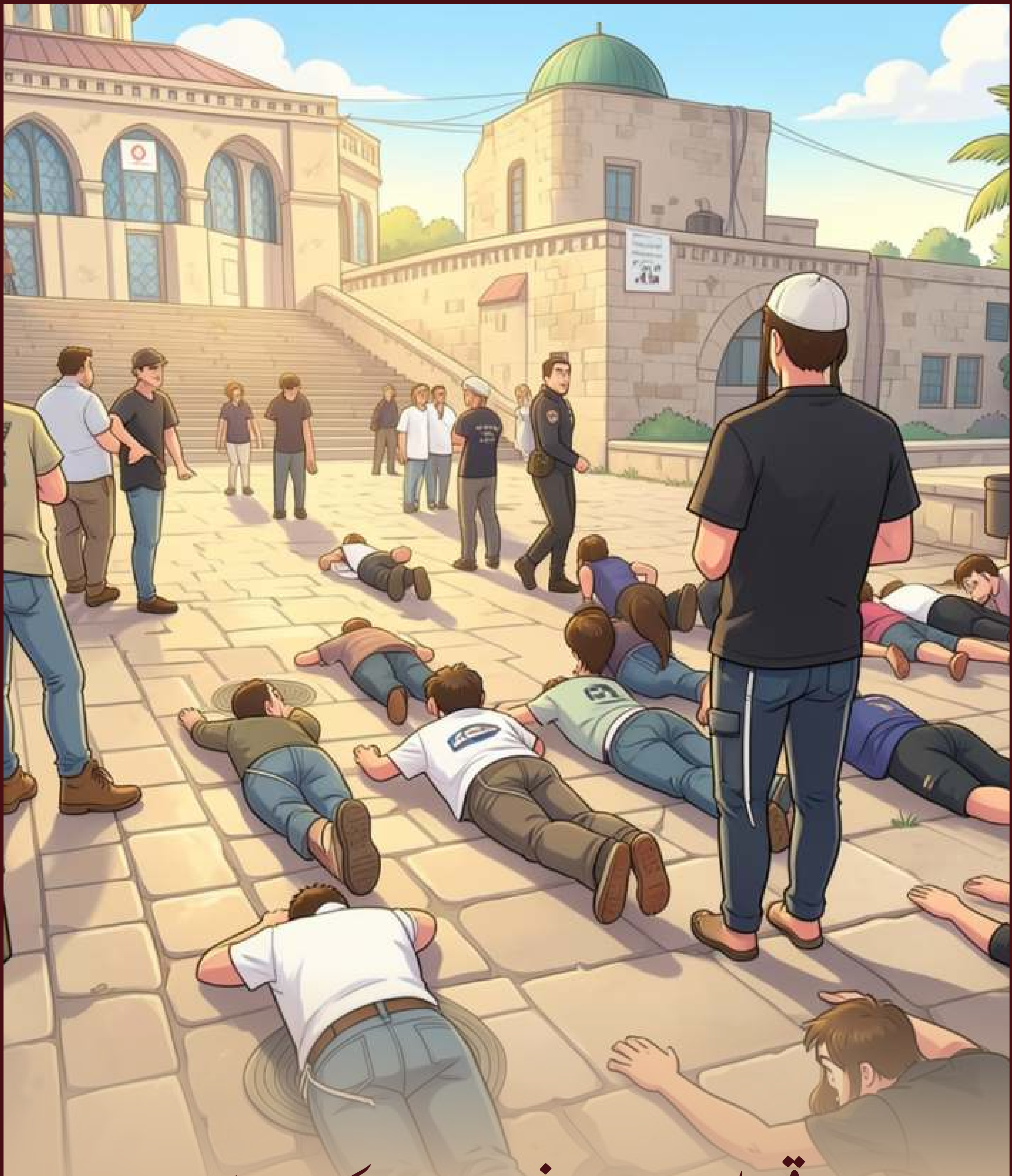

مسجدِ اقصیٰ میں صیہونی اقدامات کی بے لگام لہر

''ہیکلِ سلیمانی'' کے نام پر نئی حقیقت مسلط کرنے کی خطرناک ترین کوشش

CEASEFIRE?

راکھ کے ڈھیر پر کیسی جنگ بندی

جب نشانہ بنانے کو کوئی وجود ہی نہ چھوڑا جائے، تو جنگ بندی کا اعلان محض ایک مضحکہ خیز ستم ظریفی بن کر رہ جاتا ہے۔

سسکتی ہوئی انسانیت اور خاموش ملبے کی زبانی ایک تلخ حقیقت